الحمد للہ

کہ

رسالہ کتاب مستطاب

المسمیٰ بہ

# انوارِ انوری

ولادت ۱۲۹۲ھ وفات ۱۳۵۲ھ

حصہ اوّل

تالیف

محمد عفا اللہ عنہ لائلپوری انوری قادری

۳۰ جنوری ۱۹۶۸ء مطابق ۲۹ شوال ۱۳۸۷ھ

شائع گشتہ

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ ایک قطرہ ہے۔ بحرِ محیطِ کمالاتِ انوری میں سے۔ اس لیئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ہمارے جیسے ہیچمدانوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔

خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا۔ اس کتاب کو آپ حضرات بغور مطالعہ کر کے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم انوری اتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب اکفار الملحدین کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر ردِّ عیسائیت میں لگائی ہے اسی طریقے سے سبھی کتابیں ہیں۔

ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ واھل بیتہٖ اجمعین

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی بعض تصانیف میں اپنا نسب نامہ یوں تحریر فرمایا ہے:۔ **محمد** انور شاہ بن محمد معظم شاہ بن عبد الکبیر ابن الشاہ عبد الخالق ابن الشاہ محمد اکبر ابن الشاہ حیدر ابن الشاہ محمد عارف ابن الشاہ علی ابن الشیخ عبد اللہ ابن الشیخ مسعود النروری الکشمیری۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے والد ماجد بڑے ہی فقیہ اور عالم دین تھے۔ اور وقت کے شیخ تھے۔ افسوس کہ میں نے ملک تقسیم ہونے سے قبل بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی سیرت پاک لکھی تھی تین سو صفحات سے اوپر ہی تھی۔ بڑی محنت کی تھی۔ کشمیر خطوط لکھ کر دریافت کرتا رہا حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سلیمان شاہ صاحب کے بہت سے خطوط آئے تھے۔ جو بہت طویل طویل تھے۔ ان میں حضرت کا اردو کلام بھی تھا۔ اور بہت سے عجیب وغریب واقعات حضرت کے کشف وکرامات کے متعلق تھے۔ ایک یہ تھا کہ ایک کشمیری جو کہ باؤلا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا تو وہ گرتا پڑتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا اس کی حالت درست ہو گئی۔ بڑا ہی صحت یاب ہو گیا۔ پھر کبھی ایسی حرکت دیوانوں والی نہیں کی۔ افسوس کہ وہ کاغذات ملک تبدیل ہونے کے وقت وہیں رائیکوٹ ضلع لدھیانہ میں رہ گئے۔ مسودہ بھی وہیں رہ گیا۔ اور ایک رسالہ رد قادیانیت میں جو کہ احقر نے لکھا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے سفر بہاولپور میں دیکھا تھا اور پسند فرما کر بہت سے علماء کے پاس اس کا ذکر فرماتے رہتے تھے مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور خود حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ شیخ الجامعہؒ کے پاس بھی ذکر فرمایا کہ

کہ اس نے رسالہ لکھا ہے۔ اور کفریات قادیانی بہ نسبت دوسروں کے مزید جمع کئے ہیں۔ اسی بنا پر احقر سے بہت شفقت فرماتے تھے وہ بھی وہیں رہ گیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے حضرت کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فرمایا تھا کہ صدیوں ہمیں حضرت شاہ صاحبؒ کا نظیر نظر نہیں آتا۔ خود میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ کیا ہے۔ اور دیوبند میں جب تعزیتی جلسہ ہوا یہ ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا حسین احمدؒ صاحب نے تقریر فرماتے ہوتے یہ فرمایا تھا۔ کہ مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو صحیحین زبانی یاد ہیں۔ اور ایسے بھی میں جانتا ہوں کہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ ہیں۔ مگر جس کے کتب خانہ کے کتب خانہ ہی حفظ ہو۔ وہ مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ عموماً دیوبند میں مشہور تھا کہ حضرت چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں۔ اور حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی یہی لکھا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی زبان پر یہ اکثر آتا رہتا تھا۔ ہائے افسوس کہ وہ بھی مجلسیں تھیں کہ جب حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے تشریف لائے تو بعد عصر سہ دری کے پاس صحن میں چارپائی بچھائی جاتی تھی۔ اس پر گائے کا سالم چمڑا بچھایا جاتا تھا۔ اس پر حضرت شیخ الہندؒ تشریف فرما ہوتے تھے۔ اور چارپائی کے ارد گرد کرسیاں بچھائی جاتی تھیں جن پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا مولانا تاج محمود صاحب امروٹی سندھیؒ اور خود حضرت شاہ صاحب مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ تشریف فرما ہوتے تھے۔ پھر کوئی کہنے والا یہ کہتا تھا کہ حضرت مہتمم صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں۔ یعنی حضرت مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ پھر آواز آتی کہ حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب

دہلویؒ بھی تشریف لائے ہیں۔ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی میرٹھ سے تشریف لائے ہیں۔ ان سب کے لئے بھی کرسیاں بچھائی جاتی تھیں۔ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ برابر خدمت میں کھڑے رہتے تھے۔ حضرت کے اردگرد۔ علماؤ صلحا کا مجمع اتنا کثیر رہتا تھا۔ کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی۔ اور خود اپنا مقدمۃ القرآن سنایا کرتے تھے۔ اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ بہاول پور تشریف لائے۔ تو حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہؒ بھی جو اس وقت بہاول پور میں تھے تشریف لائے۔ حضرت مولانا محمد صادق صاحب دوم مدرس جامعہ عباسیہ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ خود حضرت مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ بھی اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب بھی دیوبند سے تشریف لائے اور سہارنپور سے حضرت ناظم صاحب عبد اللطیف صاحب بمع مولانا اسد اللہ صاحب تشریف لائے اور بہاول پور کے بڑے بڑے علماء تشریف رکھتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کوئی مسئلہ بیان فرما رہے تھے۔ سب ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ کوئی نہیں بولتا تھا۔ جس کوٹھی میں حضرت شاہ صاحبؒ قیام فرماتے وہ کوٹھی بڑی وسیع تھی۔ اور صحن بڑا فراخ تھا۔ مگر بعد عصر اس میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی تھی کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یک بارگی حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

حالِ دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابست یا بادست یا افسانۂ
باز پرسیدم بحالِ آنکہ در وے دل بہ بست
گفت یا غول است یا دیوے است یا دیوانۂ

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت شاہ صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے اذا الناس ناس والزمان زمان

اس زمانے کے لوگ کیا عجیب لوگ تھے، اور زمانہ کیسا ہی بابرکت تھا۔ اور خود یہ بھی فرمایا کرتے تھے جیسے عوام ہوتے ہیں انہی میں سے خواص ہوتے ہیں۔ اس زرین مقولے سے اندازہ فرمایئے کہ کیا عوام کیسے خواص۔ دیوبند میں جب حضرت شیخ الہندؒ تشریف لائے تو ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور حضرت منشی رحمت علی صاحب اور حضرت مولانا اللہ بخش بہادل نگریؒ بھی تشریف لائے۔ اور ضلع جالندھر سے حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب بھی تشریف لائے۔ اور گوجرانوالہ سے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت مولانا فضل احمد صاحب بھی تشریف لائے غرض علماء و صلحا حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت کے لیئے پروانہ وار آ رہے تھے۔ اس متبرک مجمع کو شام کو کھانا کھلانا اور حضرت مدنیؒ کے ساتھ خدمت کرنا ہمیں بھی نصیب ہوتا تھا۔ آہ وہ مجلسیں اب خواب و خیال ہوگئیں۔ اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹیؒ جو کہ مولانا عبید اللہ سندھی کے اور حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کے پہلے پیرو مرشد ہیں۔ جب تشریف لائے تو ابوداؤد کے سبق میں حضرت شاہ صاحب کے درس میں جو کہ بعد عصر ہوتا تھا۔ اس میں بیٹھے تھے بڑے لمبے جوان تھے۔ بڑے جوشیلے اور بڑے ہی عالم۔ چونکہ حضرت شیخ الہندؒ سے بڑی ہی عقیدت تھی۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی محبت تھی اس لئے دور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لائے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے ضرور تشریف لائیں گے۔ آپ حضرات ضرور ان کی خدمت میں جایا کرنا۔ اس لئے حضرت کئی بار تشریف لائے

(ف) حضرت کی سوانح حیات مفصل مولانا سید محمد یوسف بنوری کراچی

نیوٹاؤن کے مدرسہ کے مہتمم صاحب جب ڈابھیل پڑھاتے تھے تو انہوں نے لکھی تھی،
اور بھی مختصر کئی ایک کتابیں لکھی گئیں۔ جو کہ حضرت کی سیرتیں ہیں۔ مولوی عتیق احمد
صاحب مدرس دیوبند کی بھی ایک تالیف ہے۔ جس کا نام تذکرہ انور ہے۔ مولانا کریم بخش
صاحب گورنمنٹ کالج لاہور کا بھی ایک رسالہ ہے۔ اس کو جزاء الاحسان کہتے ہیں۔
اور حیات انور بھی کئی سو صفحہ کی کتاب ہے۔ اس میں کئی ایک علماء کی تحریریں ہیں۔ اور
بھی بہت سی ہیں۔ ہمارا تو اس کتاب میں کمالاتِ انوری بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کا
نام انوارِ انوری رکھا جاتا ہے۔ غرض حضرت کی سیرتِ پاک کی مفصل سرگذشت بیان کرنا مقصود
نہیں اس کے لئے تو بڑا طویل دفتر درکار ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری کی ایک تحریر اور
بھی ہے۔ جو عقیدۃ الاسلام کے جدید ایڈیشن کے شروع میں لکھی ہوئی ہے۔ ایک اور
تحریر ہے جو مشکلات القرآن میں بھی ہے۔ اس میں حضرت کے قرآنی کمالات بیان
فرمائے گئے ہیں۔ سیرت کا کچھ حصہ فیض الباری میں مولانا محدث بدرعالم صاحب میرٹھی ثم
مدنی کا بھی ہے۔ جو کہ فیض الباری کے شروع میں لگا ہوا ہے۔ اور مولانا احمد رضا صاحب
بجنوری کی بھی ایک کتاب انوار الباری شرح بخاری بڑی کمال کی کتاب ہے۔ اس میں بھی
حضرت کے حالات مبارکہ بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ خدا کرے وہ کتاب پوری ہو جائے
تو علماء کو ایک خزانۂ علم کا مل جائے۔ مولانا حاجی محمد صاحب جہانسبرگ جو جنوبی افریقہ
میں ہے۔ اور ان کا قدیم وطن ہندوستان میں ڈابھیل سملک ہے ضلع سورت۔ وہ
بڑے ہی عاشق زار تھے۔ کہ حضرت کے علوم کی خدمت کی جائے۔ انہوں نے بہت سا
روپیہ خرچ کر کے حضرت کی آثار السنن پر یادداشتوں کا عکس بھی شائع کیا ہے۔
اور میرے پاس بھی بھیجا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ حضرت کی مفصل سوانح حیات لکھی
جائے۔ اور آپ کے علوم کا تذکرہ بھی شائع ہو۔ افسوس کہ وہ اس دار فانی سے رخصت
ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کو حضرت سے بڑی ہی عقیدت تھی۔
اور حضرت کے تلمیذ رشید بھی تھے۔ بڑے ذکی عالم بڑے فیاض اور صاحب خیر کثیر
تھے۔ مجھ سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ میں نے مکتوبات بزرگاں میں ان کے بھیجے

ہوتے کچھ حضرت کے خطوط بھی شائع کئے ہیں۔

جب احقر نے مکتوباتِ بزرگاں جس میں اور مکتوبوں کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بھی مکتوبات کچھ تھے شائع کیا اور اس کا ایک ایک نسخہ دیوبند مولوی محمد ازہر شاہ صاحب اور مولانا مولوی محمد انظر شاہ کشمیری کی خدمت میں بھی بھیجا۔ تو بعد مطالعہ مولانا ازہر شاہ صاحب نے تحریر فرمایا کہ مکتوبات کا مطالعہ کیا۔ پہلے تو میں حضرت والد صاحب کے مکتوبات پڑھکر خود رو دیا۔ اور پھر میں نے جاکر والدہ صاحبہ کو بھی وہ خطوط سنائے۔ والدہ صاحبہ تو پہلے ہی علیل تھیں۔ وہ خطوط سُن کر اور بھی بے چین ہوگئیں۔ بہت روئیں۔ والدہ کی بیماری کا اسی طرح حال ہے۔ سلام لکھواتی ہیں اور دعا کا فرماتی ہیں۔

اور مولانا محمد انظر شاہ مدرس دار العلوم دیوبند اپنے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

مخدوم و محترم ! ۸ / ۷ محرم ۱۳۸۷ھ

سلام مسنون ! آپ کا ہدیہ سفینہ مکتوبات بزرگاں وصول ہوا اول سے آخر تک پڑھا۔ آپ نے بڑے کار آمد اور معلومات افزا مکاتیب کا مجموعہ مرتب کر دیا ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اس سے انشاء اللہ لوگوں کو بے حد فائدہ پہنچے گا اور یہ مجموعہ تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔ دو چیزیں جناب کو توجہ دلانے کے لئے عرض ہیں۔

اوّل یہ کہ مولانا بشیر احمد سکرڈوڈی جو مولانا ادریس سکرڈوڈی کے بھائی تھے۔ وہ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ مولانا بشیر احمد بھٹہ مراد ہیں۔

دوسرے یہ کہ حاجی ابراہیم میاں صاحب حاجی محمد بن موسیٰ کے چچا ہیں۔ ابھی بقید حیات ہیں۔ اور سملک میں ہیں۔

جناب کی خرابی صحت سے تشویش ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے آپ کا وجود قوم و مذہب کے لئے اس دور میں بہت ضروری ہے۔ اماں جی کی طبیعت بدستور ہے

علاج شروع کرایا گیا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عنایت فرمائے۔

والسلام! انظر شاہ

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

# مربعیہ نعتیہ فارسی

دوشم چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر واماندہ آخر طالبِ منزل شدم
کز تگاپو سو بسو شام غریباں در رسید

دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان بہم
فکر و ہم ہمدم نفس اندر قفس زادِ رہم
پیش و پس بانگ جرس از کارواں در ہر قدم
دید عبرت کشودم مخلصے نامد پدید

تا سروشِ غیب از الطاف قدسم یاد کرد
رحمتِ حق ہمچو من درماندہ را امداد کرد
مامنِ خیر الوریٰ بہرِ نجات ارشاد کرد
مقصدِ ہر طالبِ حق آں مرادِ ہر مرید

قبلۂ ارض و سما مرآتِ نورِ کبریا
سید و صدرِ علےٰ شمس ضحےٰ بدرِ دجےٰ
شافعِ روزِ جزا و آنکہ خطیبِ انبیاء
صاحبِ حوض و لوا ظلِ خدا روزِ عتید

صاحبِ خلقِ عظیم و مظہرِ جود عمیم
آیتِ رحمت کہ شانِ او رؤف ست و رحیم
رحمۃ للعالمین خواندش غدا و ندِ کریم
خُلق و خَلق و قول و فعل و ہدی و سمت او حمید

دستِ او بیضا ضیا اجود تر از بادِ صبا
حبّذا وقتِ عطا ابرِ سخا آبِ بقا
وقفِ امرِ عالمے بر ضحکِ آں رحمت لقا
عامِ اشہب از جمالِ طلعتش عید سعید

داغِ مہرِ او چراغِ سینۂ اہلِ کمال
شورِ عشقش در سرِ عمّار و سلمان و بلال
ثبت بہ ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال
دالۂ آثارِ وے معروف شبلی بایزید

از حدیثِ وے سمر در حیطۂ اہلِ اثر
مسلم و مثل بخاری وقف بر وصلِ سیر
سنّتِ بیضائے وے نورِ دلِ ہر با بصر
اتقیا را اسوۂ اقدامِ وے تقلیدِ جید

سیّدِ عالم رسول و عبدِ ربّ العالمین
آں زماں بودہ نبی کآدم بُد اندر ماء و طین
صادق و مصدوق وحیِ غیب و مامون و امین
در ہر آں چیزے کہ آ ورد ست از وعد و عید

منبرِ او سدرۂ و معراجِ او سبعِ قباب
در مقامِ قربِ حق بر مقدمِ او فتحِ باب
کاندر انجا نورِ حق بود و نبُد دیگر حجاب

دید و بشنید آنچه جز وے کس نشنید و ندید

مدح حالش رفع ذکر و شرح وصفش شرح صدر

او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر

همگناں زیر لوائش یوم عرض و نیست فخر

سید مخلوق و عبد خاص خلاّق مجید

او خیر و خیر الورا ئے خیر الرسل خیر العباد

قدوۂ اہل ہدایت اسوۂ اہل رشاد

نغمۂ از ہمت او خلق را زاد معاد

عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او

برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او

مشرق صبح وجود ماسوا مشکوٰۃ او

مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدے

نطق او وحی سما حقا نجوم اقتدا

صاحب اسرار او ناموس اکبر بر ملا

علم او از اولین و آخرین اندر مزید

مولدش ام القرائے ملکش بشام آمد قریب

خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر ز طیب

شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب

امتش خیر الامم بر امتاں بودہ شہید

خاص کردش حق با عجاز کتاب مستطاب

حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب

نجم بخشش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہرِ رشید

الغرض از جملہ عالم مصطفےٰ و مجتبےٰ
خاتم دورِ نبوت تا قیامت ہے میرا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء منہ دہند ا
نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

تا صبا گلگشتِ گیہاں کردہ میباشد مدام
بوے گل بر دوشِ وے گردد بعالم صبح و شام
باد بر وے از خدائے وے درود و ہم سلام
نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیارِ عُلید

وز جناب وے رضا بر احقرانِ مستہام
خاصہ آں احقر کہ احقر ہست از جملہ انام
مستغیث ست الغیاث اے سرورِ عالی مقام
در صلہ از بارگاہت در نشیدِ ایں قصید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلیاً۔ روض الریاحین مصنفہ مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم مفتی مدرسہ امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ مولینا کفایت اللہ صاحب کا نہایت بلیغ قصیدہ ہے۔ جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اور حضرت مولینا محمود الحسن صاحبؒ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ اور سولہ صفحے پر ختم ہوا۔ پہلا شعر ہے:۔ ؎

عرفت اللہ ساہی عن بعید — فکم بین الالہ والعبید

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۲۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا۔ پھر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھپوایا گیا۔

وَنَخْتِمُ ذَا الْکَلَامَ بِذِکْرِ حِبْرٍ — فَقِیْدِ الْمِثْلِ عَلَّامٍ فَرِیْدٍ

اب ہم ایک بڑے عالم کے ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں — وہ بے نظیر علامہ یکتائے زمانہ ہیں

مُرِیْغِ الْعِلْمِ مُقْتَنِصِ الْفُنُوْنِ — لَہٗ کُلُّ الْمَزَایَا کَالْمَصِیْدِ

علم کو ڈھونڈ نکالنے والے فنون کو شکار کرنیوالے — تمام فضیلتیں ان کے فتراک کا شکار ہیں!

نَبِیْہٍ فَائِقِ الْاَقْرَانِ یُدْعٰی — بِاَنْوَرْ شَاہَ مَوْمُوْقِ الْحَسُوْدِ

بزرگ مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو — انور شاہ کہکر بلایا جاتا ہے حاسدوں کے محبوب

حاشیہ:۔ ؎ علامہ فہامہ جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں۔ ذہن وذکا۔ ورع۔ تقویٰ میں فرد کامل مدرسہ ہذا میں مدرس اول تھے بلکہ جیسا آئندہ شعروں میں بیان کیا گیا ہے اس شجر علم کو لگانے والے آپ ہیں۔ کیونکہ مولوی محمد امین الدین صاحب جب دہلی تشریف لائے تو مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا نہ روپیہ۔ آپ نے محض متوکلاً علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔

| فَهٰذَا الحِبْرُ غَارِسُ ذَا النَّخِیلِ | وَاَوَّلُ مُوْقِظِ القَوْمِ الرُّقُوْدِ |
| --- | --- |
| کیونکہ یہ علامہ اس درخت کے لگانیوالے ہیں | اور سوتی قوم کو اول اول جگانے والے ہیں |

اور مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب آپ کے شریک تھے۔ دونوں صاحبوں نے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ فاقے کئے۔ مگر استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آہستہ آہستہ اہل دھلی کو خبر ہوئی۔ اور لوگ متوجہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مدرسہ امینیہ اس حد تک پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ غرض کہ ابتدائی زمانہ کی کس مپرسی کی حالت میں مولوی محمد انور شاہ صاحب اس مدرسہ کے اعلیٰ و اوّل محسن ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہل مدرسہ کا فرض ہے مولانا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلباء کو مستفید فرمایا۔ پھر والدین سلمہما اللہ تعالیٰ کے تقاضے اور اصرار سے وطن تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی پر دھلی میں دو ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مولانا کو تادیر سلامت رکھے۔ اور ان کے بے نظیر علمی کمال سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین ۱۲ منہ

یہاں تک تو حضرت مولانا کفایت اللہ کا کلام تھا۔ آگے حضرت شاہ صاحبؒ خود فرماتے ہیں۔

خود فرماتے تھے کہ جب میں نے شروع شروع میں مدرسہ امینیہ میں پڑھانا شروع کیا ۱۳۱۵ھ تھا۔ شروع شروع میں مدرسہ میں کوئی آمدنی نہ تھی محض توکل پر گذارہ تھا۔ پھر دو سال کے بعد اہل دہلی کو توجہ ہوئی۔ اور مدرسہ میں روپیہ آنے لگا۔ تو مہتمم صاحب نے میری تنخواہ پانچ روپے کر دی۔ میں وہی پانچ روپے مدرسے میں ماہوار چندہ دے دیتا تھا۔ پھر آئندہ سال میری تنخواہ دس روپے ہوگئی۔ پانچ روپے تو میں چندہ ماہوار مدرسے کو دے دیتا اور پانچ روپے مہتمم صاحب کی ملک کر دیتا۔ کہ آپ مجھے اللہ کے واسطے کھانا دے دیا کرو۔ رمضان گذارنے کے لئے گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے کبھی دیوبند آجاتے تھے۔

حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش صاحب گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں۔ میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔ مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں۔ یہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فرمایا تھا۔ بہاول پور کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرت سر سے لاہور کو چلے۔ سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے۔ تو فرمایا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سے ۱۳۱۹ھ میں حضرتؒ نے مجھے حدیث کی سند بھی دی۔ اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی۔ ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے۔ اور مجھے حضرت مولانا محمد معظم شاہ والد صاحب سے اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے۔ اور بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام جاری کیا۔ غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے۔ خود فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن شوق نیموی رحمہ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی۔ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں۔ تب معلوم ہوا کہ حضرت نیموی کا وصال ہو گیا۔ یہ بہت بڑے محدث ہو گذرے ہیں۔ صاحب تصانیف ہیں۔ آثار السنن ان ہی کی ہے۔ اور جامع الآثار لامع الانوار وغیرہ ان کے مصنفات ہیں یہ بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحب ورع اور صاحب اتقا تھے۔ اپنی کتاب کتاب آثار السنن جب تصنیف کر چکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ (یہ بات مجھے مفتی فقیر اللہ صاحب نے بھی سنائی تھی)

مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب نے)

درس حدیث دیا ہے۔ اہل مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے۔ اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسالوں کی شکل میں دیا۔ جو علماء دیوبند ان دنوں میں وہاں رہتے تھے۔ انہوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔

پھر حج سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اور دیگر علماء سے ملے۔ پھر شیخ الہند مولانا حبیب الرحمٰن مولانا حافظ محمد احمد۔ مولانا احمد حسن امروہی کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ حضرت شاہ صاحب کو تار دیا جائے۔ کہ کشمیر سے دیوبند استاد ہو کر تشریف لائیں۔ جب سے ڈابھیل تشریف لیجانے تک دیوبند ہی رہے۔

(ف) یہ واقعہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن نائب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ۱۳۲۹ھ سنایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہند کے وصال پر نودرہ میں جلسہ ہو رہا تھا حضرت کے استاد حدیث مولانا محدث محمد اسحٰق بھی ہیں جو مولانا خیر الدین آلوسی بغدادی کے تلمیذ ہیں۔ وہ اپنے والد صاحب مولانا سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے شاگرد ہیں۔ ایک استاد مولانا حسین جسر طرابلسی ہیں جو کہ اپنے والد کے شاگرد ہیں۔ ان کا سلسلہ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے حدیث کے استاد ہیں۔

---

اب آگے حضرت کے کچھ علمی مضامین کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں ا۔

۲، ۳، ۴ر دسمبر ۱۹۲۷ء کے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارت کے خطبہ میں فرماتے ہیں :۔

محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرت کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر و تبدل پر رکھی ہے اور...... اس کی تمام تر فضا انقلابات و حوادث سے معمور ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے :۔

---

لہ (یہ واقعہ ہمارے استاد مولانا فیض اللہ صاحب نے ذکر کیا جو کہ ان دنوں میں دیوبند پڑھتے تھے)

ع کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ کے مناسب ایک منظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے۔ اور جملہ مسببات عالم کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا۔ قدرتِ کاملہ نے یہ لوٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے۔ کہ اگر عالم میں گوناگوں تغیرات و انقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدان مسابقت میں اس طرح نبرد آزما نہ ہوتا تو کوئی شخص ید قدرت کا جو بالا دلپست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کارفرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھکر اس کی طبیعت اصلیہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس بہترین نظام میں کوئی اور قوت کارفرما ہے۔

خیال فرمایئے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع وصعود، زوال وغروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی وتنزل نہ ہوتا۔ اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمۂ خورشید کی مرہونِ منت ہے۔ بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے۔ بقول قائل۔ ع

تا بود زمانہ این چنیں بود

عارف جامی قدس اللہ سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

| | |
|---|---|
| ظہورِ جملہ اشیاء بضد است | ولے حق را نہ ضد است و نہ ند است |
| اگر خورشید بریک حال بودے | شعاع او بیک منوال بودے |
| ندانستے کسے کیں پرتوِ اوست | نہ بودے ہیچ فرق از مغز تا پوست |

الحاصل:۔ فطرت الٰہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر و تبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ انقلاب و تحول اہل بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہوجائے کہ اس کے تمام تر مظاہر وشیئون میں دست قدرت کارفرما ہے۔ اور سطح عالم اس بات پر شاہد ہے۔ کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری قوت کا دستِ نگر اور

کسی قوتِ قاہرہ کا تابع فرمان ہے۔ عقلاء حکماء نے عالم کی اس منقادانہ حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔ خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے۔ ؎

جہاں چو نقش و نگار ے است از ید قدرت
کہ بہر خویش چو نبود نمود بے بود است
سمات عجز و تسخیر ہر یکے پیدا
بقید سخت دریں قید خانہ مسدود است
نہ خود بخویش کہ بدہ آمدہ ز دست دگر
چنانکہ نقش کہ حیران و دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستی عالم جو بہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین نقش و نگار ہے۔ جب کہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ کارخانۂ عالم کی تمام اشیاء یدِ قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی قید سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں۔ اس کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے بشکل حیران اپنے مصور و نقاش کا پتہ دیتی ہے لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہاں بہترین نظم کے ساتھ منتظم نہ ہوتا اور اشیاء عالم کے درمیان ارتباط در رشتہ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا۔ اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے۔ اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہو سکتا۔

حضرات!

مجموعہ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی ترتیب و تنظیم

کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہیئے۔ پس جس طرح شخص اصغر یعنی وجود انسانی کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیوں کہ تمام ملکات و اخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف و علوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال و افعال کے مظاہر ترک و اختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح کہ بادشاہ کی جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے۔ اس کے بعد اعضاء و جوارح انسانی اس کے امتثال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں گویا یوں کہنا چاہیئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے۔ دماغ اس کا وزیر۔ اور اعضاء اس کے خدم و حشم ہیں۔ اس لئے تمام امور انسانیہ اصلاح و فساد کا مدار تنہا قلب پر ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ

یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آجاتا ہے تو کل جسم فاسد ہو جاتا ہے۔

اور دماغ بجائے مشیر خیر یا شر کے ہے اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد۔ ٹھیک اسی طرح شخص اکبر (مجموعہ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس شخص اکبر کا قلب تو وہی ہے جس کو اصطلاح شریعت میں اولی الامر یا اصحاب حل و عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا دماغ حکما و علماء شریعت غرا ہیں۔ اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

---

## فریضۂ تبلیغ

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقائے دین متین کسی طرح متصور نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے

تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے۔ اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس کے ہادی اور پیغمبرؐ نے ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کو دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادی برحق نے اپنی امت کے لئے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو۔ آپؐ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگ کر اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانے کے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گذرتے ہیں۔

خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالت نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امر وقیع کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار ہے۔

راہ تو با ہر روش کہ پویند نکوست
ذکر تو بہر زباں کہ گویند خوش است

اب آپ ہی فرمایئے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے مسئلہ تثلیث کی جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

ع
از خویشتن گم است کرا رہبری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایانِ فرنگ نے جو بالطبع نفع عاجل اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہشمند ہیں جب یہ دیکھا کہ بغیر ذاموں مفت تین خدا ملتے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا۔ اور بغیر کسی پس و پیش کے بمصداق " داشتہ آید بکار" اس کے خریدار بن گئے۔ ورنہ انھوں نے جو تفنن طبع اور جولانی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا۔ اور بے مغز اور غیر فصیح باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

اور اگر کسی نے کتاب (العقائد الوثنیہ فی الدیانتہ النصرانیہ) کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول ڈثینوں اور بت پرستوں سے مستفاد ہیں۔ بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امر بداہت کے درجہ میں ثابت ہے اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسب تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے۔ اور کیا ان سے مذہب وتثلیث کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں جن میں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح گذرے اور فلاں گروہ کے درمیان اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا۔ ان چناں اور چنیں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے۔ یا اس کا کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے۔

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات طیبات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود کہہ اٹھیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الٰہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہیئے۔ قطعاً موجود نہیں ہے۔ اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوت سے

نکلے ہوئے نہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے بجز کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے اور کوئی
نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور باقی رہا دہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے
اور اس کو مذہب و ملت سے تو کجا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو
سکتا۔ بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق و تدقیق سے کام
لیں تو ہستی باری تعالیٰ کا وجود بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ ہستی باری
تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی تو وہ یہی ہے کہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے
غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے۔ اور جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج نہ ہو۔

اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم
کی کیا حاجت رہی جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں۔ اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں
جگہ دیں گے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات
ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں۔
اور ضرورت نظام عالم اس کو مقتضی ہے۔ کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود
جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہو تاکہ وہ ان سے کام لے۔ تو یہ
خدشہ کم علمی اور نقصان فہم پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آ سکتا۔
کہ جو شئے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی ہو۔ کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کوئی شئی وجود میں جو کہ
تمام صفات میں اعلیٰ اور اعظم صفت ہے تو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ خود ہی اپنی ذات سے
موجود ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دوسری صفات میں ناقص رہ جائے اور ان میں کامل
نہ ہو سکے اور کسی دوسری قدیم بالذات کی محتاج رہے۔ کیا دنیا میں کوئی شئی بھی اپنے
کو بحالت خود مختاری ناقص رکھنا گوارا کر سکتی ہے اور اگر وہ ان صفات کے ناقص
رکھنے میں مجبور ہے تو سب سے اعلیٰ و اکمل صفت وجود میں وہ کس طرح دوسرے
کی احتیاج سے مستغنی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ روح اور مادہ کو ان کی صفات میں ناقص
مان کر کبھی ان کو قدیم بالذات نہیں مانا جا سکتا اور اگر ان کو ذات و صفات میں مکمل

مانا جائے تو پھر واجب الوجود عزّ اسمہ کے ماننے کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ قدیم بالذات اور قدیم بالغیر دونوں امکانی قسمیں تھیں۔ تو ضرورت تھی کہ بلحاظ استیفائے اقسام یہ دونوں وقوع پذیر ہوں۔ اس لئے دونوں احتمال کو مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا استیفاء کو مفید ہوگا تو یہ نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان بلکہ ایک خوش کن خطابت ہے اس کی کیا دلیل کہ احتمالات ممکنہ سب متحقق ہو جائیں۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ عالم کی اکثر اشیاء میں تمام احتمالات ممکنہ کا استیفاء اور تحقق نہیں ہوتا۔ پھر عالم غیب کی باتوں پر اٹکل کے تیر لگانا کہاں تک درست ہے علاوہ ازیں مادہ میں جو نقائص ہیں کہ تمام اشیاء سے زیادہ ارذل اور بے شعور شمار ہوتا ہے۔ نیز روح پر جو آلام و ہموم کے بیش از بیش حوادث گذرتے ہیں جن کو دیکھکر یہی کہا جاتا ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ان کو دیکھتے ہوئے کون عقل مند کہے گا کہ یہ قدیم بالذات ہیں۔

غور تو فرمایئے کہ قدیم بالذات کو ان ذلیل ترین سے کیا سروکار۔ سب سے بڑھکر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی تمام اشیاء مختلف صورتوں اور نوعیتوں پر قائم ہیں۔ جس کو علمی اصطلاح میں صور نوعیہ کہا جاتا ہے پس اگر ان سب میں ذرات مادہ متشابہ الوجود اور یکساں ہیں تو یہ صورتوں کا اختلاف جو رنگارنگی عالم میں موجود ہے کس طرح پیدا ہو گیا۔ کہ دنیا میں آپ کوئی ایسی نظیر دکھا سکتے ہیں جو متشابہ الوجود اور ایک رنگ ہونے کے باوجود مختلف الوجود اور مختلف الانواع کا موجب ہو۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ صور کا یہ تنوع اور اختلاف بھی قدیم بالذات ہے۔ تو پھر تھوڑی سی سخاوت اور بھی فرمایئے اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ نظام عالم اور اس کی ہر شئی بھی جو تغیرات وحوادث پر ہے قدیم بالذات ہے۔ تاکہ ہستی باری تعالےٰ واجب الوجود کے انکار میں کوئی شئے حائل نہ ہو۔ اور اس اہم ترین بار سے سبکدوشی حاصل ہو جائے تعالی اللہ عن ذلک

البتہ آپ شبہ کر سکتے ہیں کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو پھر عدم سے وجود کیسے بنا لیکن یہ معاملہ دشوار اور ناممکن الحصول نہیں اس لئے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے۔ کہ

کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔
انسان وحیوان کو دیکھئے کہ وہ کبھی حرکت کرتے اور کبھی ساکن رہتے ہیں۔ اور یہ حرکت وسکون ان کا فعل ہے۔ جس میں وہ کسی مادے کے جو کہ ان کی اس حرکت یا سکون کا محصل بن سکے محتاج نہیں۔
ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کر لیتا ہے۔ اور کبھی خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر لوہے کا محتاج نہیں ہے۔ کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو نہ کر سکے۔ ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو اس کو اس طرح سمجھیئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جب کہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی۔ ایک بڑھئی دوسری نجارت یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ تیسری لکڑی۔ چوتھی تخت کی وہ صورت وہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تو بڑھئی اپنے اس فعل وعمل میں جس کو ہم اس موقعہ پر نجر یا گھڑنے سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے۔ لکڑی ہو یا نہ ہو۔ البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے۔ اور نہ نجار اس کا فاعل بلکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے۔ اس کا مفعول جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔ الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا۔ اس لئے چوتھی چیز سے تیسری کا ہونا ضروری ہے۔ جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے

کہ یہ سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعلِ حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے۔ اور جس طرح انسان اپنی حرکت و سکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا۔ اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعلِ حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا۔ اور اس کو کسی اور شئے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جب کہ ہر مذہب و ملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت حدودِ زمانہ سے منزہ اور مبرا ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود و محصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا حرج ہے کہ اس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ کبھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے۔

آنکس کہ با بداعِ زمان رفت نہ فہمید
کز عمرِ حق ایں حصہ بمخلوق بہ بخشید
چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید
نے مرتبۂ ذہنی کہ یک گفت بتعدید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صفت قدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا۔ جبکہ خدائے قدوس کو وہ احد مانتے ہو۔ تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے۔ ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک بنانا گنتی میں ایک کہنا ہے۔ نہ کہ حقیقت میں۔ ورنہ شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اول کہلائی جا سکتی ہے۔ قدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلیٰ صفت ہے۔ اس میں کسی کو ماننا عقل و انصاف دونوں سے بعید ہے۔ اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو قدیم نہ مانئے تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہو جانا لازم آتا ہے۔ تو یہ بھی سوءِ فہم اور عقل کی نارسائی ہے۔ وہ وقت صفات

ربانیہ میں وحدت مطلقہ کا ظہور حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزّا اور برتر ثابت کرتا ہے
اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام
صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

علمائے محققین نے اسی ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے
چنانچہ عارف جامی جو صوفیائے وجودیہ میں سے بہت جلیل القدر مرتبہ کے ہیں
فرماتے ہیں۔

مجموعہ کون را بقانون سبق — کردیم تصفح ورقاً بعد ورق
حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درو — جز ذات حق و شئون ذاتیہ حق

ہم نے کائنات کی کتاب کو ایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح پڑھا سچ
تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور کل یوم ھو فی شان کے مظاہر کے سوا نہ کچھ اس
میں دیکھا نہ پڑھا۔

اور مجدد سرہندی کے صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

در عرصۂ کائنات با دقت فہم — بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم و ندیدیم درو — جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

میدان کائنات میں ہم عقل و فہم اور دقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے
اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گذرے کہ سرتا پا چشم حقیقت بن گئے۔ لیکن بجز
صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی نہ حاصل کر سکے اور وہ بھی ہمیں
پوری طرح حاصل نہ ہو سکی۔

اس خاکسار نے بھی اپنی ہیچمدانی کے باوجود بقدر ہمت اس پر کچھ لکھا ہے۔

مجموعہ کون بود در کتم عدم!
از حرف کن آورد بایں دیر قدم
فعلے است کہ بے مادہ ید قدرت او کرد
کز ضرب وجودی بعدم نیست قدم

یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردہ عدم میں تھا۔ اس کے بعد کُن کے اشارے سے یہ وجود موجود ہُوا۔ یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حادث ہی نکلے گا۔ یا یوں کہیے کہ جب عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گذارش کرنا ہے کہ جن مذاہب و ملل کا یہ حال ہو کہ نہ ان میں توحید کا پتہ اور نہ ان کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

تو پھر وہ کیا تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ حق اگر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو ہے۔ خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں۔ اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کریں۔

حضرات!

حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اوّلین خدمت علماء کرام کا حق ہے اور یہ کام انہی کے سپرد ہونا چاہیئے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا۔ کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے۔ اور اس عظیم الشان مقصد کے لئے بدمے یا درمے یا قدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہُوا۔ اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

# اصولِ تبلیغ

---

حضرات!

جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ پیغام دینِ متین اور نشر و ابلاغِ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاقِ حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ اور خلوصِ نیت اور فراخ حوصلگی اور حسنِ مقال اور راست بازی شیریں کلامی وسعتِ صدر ایثار رجال قشنائی اور جفاکشی کے اوصافِ حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص و طمع غرض نفسانی ریاکاری شوقِ حصولِ دنیا نہ رہنے پائے وہ جو شخص ان امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی اصول کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اسکے کلام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا

الحاصل! مبلغ کو چاہیئے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کاربند ہو۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں میں دروغ بافی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ وقیع نہ ہوگی۔ خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے۔

وما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے لگوں۔ میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہوگا (اصلاح کروں گا) اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے :-

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم - کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو ، اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے ، کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔

---

## مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ

ہمارے علمائے احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدہ متبرکہ کو سامنے رکھکر دارالحرب اور دارالامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحمہم اللہ نے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے

فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دارالحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے۔ مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے۔ مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ

کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے۔ اور مسلمان کے قتل کر لینے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف وصریح حکم نازل فرمایا ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم۔ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا اس کی جزا جہنم ہے۔ اس آیت کریمہ میں جزا سے اُخروی جزا مراد ہے۔ جو عصمت مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے۔ اور اسی قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتا ہے۔ جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔ پس اگر مقتول مسلمان دار الاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں۔ اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے۔ اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے۔ لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دار الحرب کا رہنے والا تھا۔ تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی۔ بلکہ صرف کفارہ واجب کیا جس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت مؤثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر عصمت مقومہ کے لئے دار الاسلام اور حکومت وشوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔ اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہموطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی ومعاشرتی شرائط پر صلح ومعاہدہ کر سکتے ہیں۔

آپ کا حافظہ یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھکر سنا دیتے تھے عموماً یہ دیکھا گیا کہ حسبنا اللہ فرمایا اور کتاب کھولی وہی صفحہ نکل آتا تھا۔ اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی۔ جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی۔ ناظرین حیران ہو جاتے تھے۔ بہاولپور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی

ہوتا تھا۔

(۱) ایک دفعہ بہاول پور ہی میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا۔ کتاب ہمارے پاس نہ تھی۔ قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھیئے ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے۔ اس کو کہو عبارت پڑھے۔ جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسبنا اللہ فرمایا۔ اور فوراً حوالہ نکال لیا۔ وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ابی کی عبارت یہ ہے:۔

" وفی العتبیة قال مالك بینا الناس قیام یستمعون لاقامة الصلوة فتغشاهم غمامة فاذا عیسٰی قد نزل

ص۲۶۶ ج۱ شرح مسلم للابی (مصری) اکمال اکمال المعلم

(۲) مولانا عبد الواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے۔ کہ جب میں ڈابھیل میں دورہ حدیث میں شامل تھا۔ میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبد العزیز محدث گوجرانوالہ صاحب نبراس الساری فی اطراف البخاری کا خط میرے نام آیا۔ کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جاکر عرض کر نیکو۔ کہ حضرت ہمیں ایک حدیث کی ضرورت ہے۔ "الاحکام التی تفادق المرأة الرجل" فرمایا کل کو آنا۔ اس وقت میں معروف ہوں۔ میں دوسرے دن حاضر ہوا۔ تو مراسیل ابوداؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

" ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضمّا بعض اللحم الی الارض"

اور سنن کبریٰ بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا۔

" اذا سجدت المرأة ألصقت بطنها بفخذها کأستر ما یکون لها"

(۳) وہیں بہاول پور ہی کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارا دین متواتر ہے۔ اور تواتر کے اقسام میں سے کسی ایک قسم

کا منکر بھی کافر ہے۔" آپ کو چاہیئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں۔ کیوں کہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔"

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا " جج صاحب لکھیئے کہ میں نے بتیس ۳۲ سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی۔ اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے " لا تجتمع امتی علی الضلالۃ " یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں

مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب (جو اس مجلس میں موجود تھے۔ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے۔ سُن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ بعینہٖ وہی عبارت نکلی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی۔ جج خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ کا چہرہ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کے مربی تھے۔ اور مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کے بھی پیر تھے)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مُفحم کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں۔ میں انشاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے ایک اجتماع کیا تھا۔ وہاں حضرت مولانا شیخ الہندؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اکابر دیوبند و سہارنپور

مدعو تھے۔ ہزارہا ہزار علما مجتمع تھے۔ قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظرین عربی زبان میں تقریر کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے۔ حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو طیار کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے۔ فی البدیہہ بولنا ہوگا۔ اور نہ کاغذ کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے۔ وہ لوگ تیار نہ ہوتے تھے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوریؒ کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب میاں چنوں والوں نے بھی سنایا تھا۔ مولانا ابراہیم صاحب اس وقت بھاگل پور میں مدرس تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ بھی تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں سنایا تھا۔ پھر فرمایا جاہلین تم نے کیا سمجھا میں ان شاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے یہ بھی سنایا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

(۵) احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا کہ جب اعرت سر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ شجرہ چشتیہ میں آپ کے نام (یہ سفر بہاولپور ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے) کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہیئے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہؒ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

(۶) جب ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے۔ ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لیے آئے۔ فوراً فرمایا "ہیر بڈھی ہوئی تداں رانجھا آیا" پنجابی میں فرمایا اور مسکرا دیئے۔ پھر نشانات فرما دیئے کہ اس قسم کا مکان تھا۔ جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سیڑھیوں سے چل کر جانا ہوتا تھا۔ وہ بزرگ حیران رہ گئے۔ کہ مدت کی بات ہے۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

(۷) مالیر کوٹلہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے مولانا بدر عالم مہاجر مدنی بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا خیر الدین صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث جو مولانا عبدالعلی صاحبؒ کی خدمت میں دہلی رہے تھے۔

مولانا عبدالجبار ابوہری مرحوم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب و مولانا محمد صدیق صاحب عطار وغیرہم تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھکر مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف شہباز کی باتیں ہونے لگیں حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد صاحب کے وصال کو آج اسی سال ہو گئے۔ مولانا محمد صدیق صاحب نے حساب لگایا تو اسی سال ہوئے تھے تو کم از زیادہ مولانا نور محمد صاحب کی باتیں خوب یاد تھیں۔

(۸) فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن دیکھا کہ دو ان پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دوسرا منکر تھا۔ کہ عذاب روح ہی کو ہوگا۔ جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے۔ لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا۔ نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھائے اور لنگڑا پھل توڑے اتنے میں اگر باغبان آگیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا۔ اور سزا کا مستحق قرار دے گا۔ میں نے یہ بات سن لی۔ پھر ایک زمانہ دراز گزرا میں "تذکرۃ القرطبی" دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور تھی۔ میں اس کو پڑھکر اس ان پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا۔ کہ کیسا صحیح جواب دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ لدھیانہ میں ۱۱ مرح ۱۹۲۷ء کو بستان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا۔ لوگ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریک بات یاد رکھی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(۹) حضرت مولانا محمد امین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ صاحب سے پڑھتے تھے حضرت مولانا تھانوی

تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ حضرت تھانوی کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لے آئے۔ نکاح شغار کے متعلق حدیث کا درس ہو رہا تھا وقت چونکہ ختم ہو گیا تھا لہٰذا حضرت نے کتاب بند کر دی۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت تھانوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جناب کا درس سننا چاہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے پھر کتاب کھول لی۔ ڈیڑھ گھنٹہ درس دیا۔ اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا شاہ صاحب کے علوم وہبیہ ہیں کسبیہ نہیں۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

(۱۰) جب حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد صاحبؒ زیارت کے لئے لائلپور سے دیوبند حاضر ہوئے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند کے کئی روز مہمان رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرما کر حضرت شاہ صاحب شیخ الہندؒ کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں مولانا محمد اللہ پانی پتی بھی حاضر تھے۔ اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت ادب سے بیٹھکر مسئلہ سنایا۔ حضرت شیخ الہندؒ کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا۔ احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے۔ درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جان بازی جو حضرت شیخ الہندؒ نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا ہاں حق ضرور واضح کر دینا چاہیئے۔

مولانا ادریس سیکروڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں

شاہجہان پور، مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا، مولانا محمد ادریس فرماتے تھے کہ شاہ صاحب اکثر یہ جملے فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہوگیا۔ اب حق میں حجاب نہیں چاہیئے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے۔

اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

(۱۱) ان ہی ایام میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کا نکاح تھا۔ حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت شاید یہ دیوبند) کے صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا نکاح کی مجلس تھی۔ حضرت شیخ الہند تشریف فرما تھے۔ میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحب کی طرف دیکھتے تھے۔ کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں۔ حالانکہ آپ کے سینکڑوں شاگرد آگے ہوکر بیٹھے تھے۔ تاکہ شیخ الہند کے قریب ہوجائیں۔ حضرت والد صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کا غایت ادب دیکھکر حیران رہ گئے۔

(۱۲) ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جارہے تھے۔ بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں ایک طالب علم ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دئے۔ دس قرآن سے۔ دس تورات سے۔ دس انجیل سے۔ دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علوم میں اس قدر استحضار دیکھکر مسلمان ہوجاتا۔ نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں۔ فرمایا جب آپ کو حق معلوم کرکے بھی توفیق نہ

ہوئی کہ ایمان لے آتے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپکے ہاں نہیں۔ محض تنخواہ کا لالچ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط وہ پادری نہایت شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

(۱۳) مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں بجز اس امر پہ کھائی جائے۔ کہ مولانا انورشاہ صاحب اس زمانہ میں بےنظیر عالم ہیں۔ مولانا غلام رسول انّی والے استاد رحمہ اللہ نے جب پہلی بار قادیاں میں حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی۔ تو فرمایا علم ہو تو انورشاہ والا ہو۔ ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیاں ہی میں کہ مجسّم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسے میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جنکو صحیحین حفظ یاد تھیں لیکن ایسا عالم دین کہ کتبخانے کا کتبخانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انورشاہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔ (۱۴) علامہ محمد زاہد کوثری حضرت شاہ صاحبؒ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف صاحبؒ بنوری کا مقدمہ دیکھنا چاہیئے۔ علامہ محمد زاہد کوثریؒ کی عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی "عقیدۃ الاسلام" اور "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحب کمال حافظ حدیث والفقہ قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے پھر مصطفےٰ کمال پاشا سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے۔ بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

"تانیب الخطیب" میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی "نیل الفرقدین" کی بڑی تعریف کی ہے، آپ کو علامہ البحر الحبر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی سے سلسلہ طریقت ملتا تھا۔

## علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا تاثر

(۱۵) دین و دانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا یعنی مولانا محمد انورشاہ صاحب جانشین حضرت شیخ الہندؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔

دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف و نقاہت کے ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرحوم کا وطن کشمیر تھا مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی

پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دار العلوم کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی جس کو شیخ الہند کے زمانۂ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۷ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لے کر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے۔ جس کی اوپر کی سطح ساکن ہے لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر۔ قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس۔ علوم ادب میں بلند پایہ۔ معقولات میں ماہر۔ شعر و سخن سے بہرہ مند۔ زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے۔ کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی سرزمین عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے۔ مدرسہ دار العلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلبہ اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا۔ جس میں انہوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہی یا خلافت اور جمعیتہ کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

۱۹۲۷ء میں جب وہ پشاور کے اجلاس جمعیتہ العلماء کے صدر تھے۔ میں بھی حاضر تھا۔ حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ سوال سے خوش ہوئے اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے۔ کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شبہ کی اصل منشا کو سمجھ جاتا ہے۔ اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔

مرحوم ! معلومات کے دریا ، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔
ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔ میری تصنیفات میں سے " ارض القرآن " ان تک پہنچی تھی اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ( معارف )

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ہجری اعظم گڑھ

(۱۶) فرمایا قبہ محمودیہ کا کتب خانہ میں نے تمام دیکھا بعض نایاب کتب سے حوالے بھی لکھے بہت یادداشتیں مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے جمع کیں۔ مغنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا۔ اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی حنفی کی " السیر الکبیر " مدینہ طیبہ میں دیکھی۔ قلمی نسخہ تھا۔ نہایت عمدہ کتابت۔ اس کا مطالعہ کیا یادداشتیں لیں۔ پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے۔ اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے نسخہ تلاش کیا۔ نہ پایا۔ یہ کتاب قبہ محمودیہ میں تھی۔

(۱۷) حضرت شاہ صاحب کا قیام جب دارالعلوم دیوبند ہی تھا مظفر گڑھ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا ظفر علی خاں اور دیگر زعماء قوم بھی مدعو تھے۔ غالباً ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی تھے۔ حضرت کی زیارت کے لئے ہزاراں ہزار خلق اللہ جمع تھی۔ علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں۔ حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہٗ نے نام حق کا ایک شعر پڑھا۔ ؎

غم دین خور کہ غم غم دین است
ہمہ غمہا فرو تر از این است

اور اس پر بڑی رقت آمیز دپُر تاثیر تقریر فرمائی۔ خود روئے اور حاضرین کو رُلایا۔ ؎

غمِ دنیا مخور کہ بے ہودہ است
ہیچکس در جہاں نیاسودہ است

علامہ سید سلیمان ندویؒ پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا۔ کئی علمی سوالات کیئے۔ اور جوابات سُنکر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے۔ "مولانا محمد انور شاہ صاحب علم کا بحر مواج ہیں۔ حافظہ کے بادشاہ ہیں"۔

ظفر علی خاں تو حضرت کے چہرے کے عاشق تھے۔ کہا کرتے تھے "جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں"۔

اگست ۱۹۳۲ئہ میں زمیندار کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب و کمالات پر لکھا۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت مولانا انور شاہ صاحب مدظلہٗ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے"۔

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت تشریف فرما تھے۔ خدام کا ارد گرد مجمع تھا۔ ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا منورہ چہرہ دیکھکر سامنے کھڑے ہوگئے اور زار و قطار رونے لگے۔ اور ایمان لے آئے۔ حضرت کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ کہتے تھے کہ "ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے"۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشآء"

یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے۔ علامہ زمخشری کو تاویل کرنا پڑی۔

فرمایا شرک کے معنی کفر مع عبادت غیر اللہ ہیں۔ لہذا وہ تمام انواع کفر سے اقبح ہے۔ اور کفر اس سے عام ہے۔ لیکن آیت مذکورہ بالا میں شرک سے مراد کفر ہی ہے کیوں کہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ نہیں کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے۔ یا آپ کو خاتم الانبیا بمعنی آخری نبی نہیں مانتا وہ بلا شک و بلا خلاف کافر ہے۔ اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔ گو وہ مشرک نہ ہو۔ لہذا اس آیت مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لیے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری اذا التقی المسلمان بسیفهما فالقاتل والمقتول فی النار قلت یا رسول اللہ هذا القاتل فما بال المقتول قال انه کان حریصًا علی قتل صاحبه

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ارشاد ہے۔ "السیف محّاء الذنوب" یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے۔ جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ لہذا وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے۔ یہی صورت ہابیل اور قابیل کے قصہ میں پیش آئی۔ اور ہابیل نے قابیل کو سنایا۔ "انی ارید ان تبوء باثمی واثمك فتكون من اصحاب النار" اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ قتل کی وجہ سے جہنمی بنے۔ اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو ہو جائیں۔ کیونکہ تلوار محّاء الذنوب ہے۔ کیونکہ جب اس کے گناہ قابیل کی تلوار سے محو ہو گئے تو وہ اس کے گناہ بے جانے والا ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہابیل کے گناہ قابیل پر ڈال دیے گئے۔ کیونکہ "لا تزر وازرة وزر اخری" کے خلاف ہے۔ پھر اس عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلمًا قتل کرنے کی غیر معمولی قباحت خوب واضح کر دی جائے۔ تاکہ جو اس کی برائی کو سمجھ لے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

# بیان عقیدہ بہاولپور پانچ دن ۵ گھنٹہ فی یوم

ایمان کے معنی ہیں گرویدن ۔ باور کردن اور شریعت میں انبیاء علیہم السلام جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس بات کو ان کے اعتماد پر باور کر لینا ۔ اب جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہے ۔ اس طرح کہ آپ سے متواتر ثابت ہو جائے اور خواص سے عوام تک پہنچ جائے ۔ جیسے وحدانیت باری تعالیٰ کی اور رسولوں کی رسالت اور ختم ہونا رسالت کا خاتم الانبیاء پر اور منقطع ہو جانا آپ کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ قرب قیامت میں تشریف لانا آپ کے اعتماد پر باور کر لینا ایمان کہلاتا ہے

کفر کے معنی ہیں حق ناشناسی یعنی منکر ہو جانا ۔ اور مکر جانا ۔ کفر کبھی اشارے سے بھی ہوتا ہے ۔ جیسے :۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لوّوا رءوسھم ۔ یا بات تو وہ مانتا ہے ۔ کہ جو کچھ دین میں آیا ہے حق ہے ۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے یہ بھی کفر ہے ۔ کیونکہ جس امت نے ہمیں الفاظ پہنچائے اسی نے ہمیں معانی بھی پہنچائے ۔ مثلاً نبی علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کا بھی سلف میں سے اختلاف نہیں تھا ۔ اب جو کوئی معنی یہ کرے کہ اس کے معنی اجرائے نبوت ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا یہ مطلب ہے ۔ کہ آپ کا مثیل آئے گا ۔ یہ بھی کفر ہے ۔ ضروریات دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا کرنا جوارح سے ضروری ہو ۔ بلکہ کبھی کوئی شئی مستحب اور مباح ہی ہوتی ہے ۔ اس کا منکر بھی کافر قرار پاتا ہے ۔

الحاصل ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے قطعی ہو ۔ خواہ وہ حکم جس پر وہ مشتمل ہے نظری ہی کیوں نہ ہو ۔ جیسے کہ عذاب قبر اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے مستفیض ہے ۔ اور کیفیت عذاب ہم سے مستور ہے لہٰذا عذاب قبر کا منکر کافر قرار پائے گا ۔

فتح الباری میں ہے - وفی قصة اهل نجران من الفوائد ان اقرار الکافر
بالنبوة لا یدخله فی الاسلام حتی یلتزم احکام الاسلام (فتح الباری
ص۲۴ جلد ۸ -

وعند مسلم ص۸۶ ج۱ عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه
وسلم انه قال والذی نفس محمد صلی الله علیه وسلم بیده
لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم
یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار

اور مستدرک جلد ۲ ص۳۴۲ عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من احد یسمع بی من هذه الامة
یهودی ولا نصرانی ولا یومن بی الا دخل النار فجعلت اقول این
تصدیقها فی کتاب الله حتی وجدت فی هذه الآیة ومن یکفر به من
الاحزاب فالنار موعده قال الاحزاب الملل کلها

یہ بات تھی جو شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ)
کے درمیان دائر ہوئی - فقال ابوبکر من فرق بین الصلوٰة والزکوٰة یرید
انه لیس مؤمنا من لم یومن بالکل فشرح الله له صدر عمر ایضا فرای
ما راه ابوبکر فعند مسلم عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله
علیه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله
ویومنوا بی وبما جئت به واذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءهم واموالهم
الا بحقها وحسابهم علی الله -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں دو قاصد مسیلمہ کذاب کے آئے آپ
نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارا بھی وہی عقیدہ ہے - جو کچھ مسیلمہ کا ہے - ایک نے کہا کہ
ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے حالانکہ اذان میں اشهد ان محمد رسول الله کہلاتا تھا -
آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تو میں تم کو ضرور قتل کراتا -

یہ قصہ ہو چکا پھر ان میں سے ایک آدمی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ملا آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا اب بھی وہی عقیدہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں آپؓ نے اسی وقت تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ کہ اب تم قاصد نہیں رہے۔ یہ قصہ ابو داؤد وغیرہ میں موجود ہے۔ اس پر یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رواج پر عمل کیا۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا یہ خود ایک قانون ہے۔ وقصۃ دباء رای القتل عندھا ابو یوسف القاضی ولایۃ اولی۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا۔ ایک آدمی نے اٹھ کر کہا مجھے تو یہ پسند نہیں امام ابی یوسف رحمہ اللہ نے تلوار نکالی اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے توبہ کی۔

کدو کھانا کوئی ضروری نہیں لیکن اس نے عین حدیث بیان کرتے وقت کہ حضور کو یہ مرغوب تھا۔ اس وقت یہ کلمہ کہا تھا۔ مثلاً جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھاتے اور اُمت کھاتی چلی آئی یوں اگر کوئی نہ کھائے تو کچھ گناہ نہیں۔ لیکن یہ بات کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے اور اُمت کھاتی چلی آئی اس وقت اگر انکار کرے گا تو قتل کیا جائے گا

پھر یہ سمجھو کہ ہمارا دین متواتر ہے۔ اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں۔ تواتر کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کا ثبوت ہم تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاتار ہوتا آیا اس کو تواتر کہتے ہیں تواتر کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تواتر اسناد جیسے کہ حدیث من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور حسن اور تیس ۳۰ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ختم نبوت کی حدیثیں میرے ایک رفیق نے جمع کیں۔ وہ کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ ہوتی ہیں۔ جن میں سے تیس صحاح ستہ کی حدیثیں ہیں

اور عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق میرا ایک رسالہ ہے۔ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" اس میں ستر سے زائد حدیثیں صحیح ہیں۔ اور میری کتاب عقیدۃ الاسلام ہے۔ اس کا حاشیہ تحیۃ الاسلام ہے۔

تفسیر ابن کثیر ۳۵۶ مطبوعہ مصر جدید میں ہے۔ قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل

یوم القیمہ۔

وانہ لعلم للساعۃ کونہ علما لہا ھو الذی اشتھر فی الحدیث بالاشراط فذکرہ القرآن یکونہ علما صار عرف الحدیث کونہ من الاشراط وکانہ اخذ من ھذا اللفظ من قولہ فقد جاء اشراطہا اذن ففی الآیۃ بیان الامکان اولاً ثم بیان الوقوع ثانیاً۔ واخرج عبد بن حمید وابن جریر ان الحسن رضی اللہ عنہ وانہ لعلم للساعۃ قال نزول عیسٰی علیہ السلام۔ تابعین اور صحابہ آیت کی تفسیر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول سے کرتے ہیں۔ اور متواتر حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کہ آپ نے خبر دی عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی۔ قیامت سے پہلے۔ اماماً عادلاً حکماً مقسطاً۔

اور ابن کثیر نے دعوی کیا ہے احادیث متواتر ہونے کا۔ اور حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اور فتح الباری میں دعوی کیا ہے۔ اور جامع ترمذی میں حوالہ کیا ہے۔ کہ حضرت عیسٰی بن مریم دجال کو قتل کریں گے۔ پندرہ صحابیوں کی حدیثوں پر۔ اور علامہ شوکانی کا ایک رسالہ ہے جس میں انتیس حدیثوں پر۔ اور لیلۃ الاسراء کی حدیثیں ہے۔ جیسا کہ درمنثور میں ہے اور بہت حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے خود آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مسند احمد ابن ابی شیبہ۔ ابن ماجہ۔ ابن جریر اور حاکم۔ اور اس کی تصحیح کی ہے۔ ذہبی نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے بعث اور نشور میں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم وموسٰی وعیسٰی الخ

ایسے ہی اجماع منعقد ہوگیا ہے اور نقل کیا اُبی نے۔ شرح مسلم میں امام مالک سے جو اجماع کے موافق ہے۔ اور جو ابن حزم کی طرف منسوب ہے۔ وہ بھی غلط ہے ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں۔ فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحۃ قیام الحجۃ

بکل ھذا علی کل احد۔ اس کو کافر کہنے میں ورد کا بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سب امور کا اثبات سب پر ہو چکا ہے۔

(۲) تواتر کی ایک قسم تواتر طبقہ ہے۔ جیسے کہ تواتر قرآن پاک کا تمام روئے زمین مشرق میں مغرب میں درس اور تلاوت کے ساتھ حفظ ناظرہ اور تجوید کے ساتھ۔ طبقہ بعد طبقہ۔ ایک جماعت نے دوسری جماعت سے لیا تا آنکہ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا۔ گو اس کی سند معلوم نہ ہو۔ سب جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس میں سارے مسلمان شریک ہیں

(۳) تواتر کی ایک قسم ہے۔ تواتر تعامل تواتر توارث جیسے مسواک اور کلی اور استنشاق کا تواتر۔

(۴) ایک قسم تواتر کی ہے تواتر قدر مشترک جیسا کہ معجزات کا تواتر اگرچہ ایک ایک معجزہ خبر واحد ہی سے ثابت ہو۔ مگر ان کا مجموعہ قدر مشترک متواتر ہو گیا یعنی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا صدور ہوا یہ متواتر ہے۔ بعض لوگ تواتر کو گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ قلیل ہے۔ حالانکہ ہماری شریعت میں انسان اس کا حصر نہیں کر سکتا۔ پس جب آپ نے یہ سمجھ لیا ہم کہتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت کا اعتقاد بھی فرض ہے۔ اس کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور نماز کی فرضیت کا انکار کرنا کفر ہے۔ ایسے ہی مسواک کرنا سنت ہے۔ اعتقاد اسکی سنیت کا فرض ہے اور اسکا انکار کفر ہے اور اسکا ترک کرنا عتاب ہے، یا عقاب ہے۔

(۵) تواتر کی ایک قسم تواتر معنوی بھی ہے۔ تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔

مرزا غلام احمد نے تواتر کی تمام اقسام کا انکار کیا ہے۔ اس پر مرزائیوں کے نمائندے نے اعتراض کیا کہ تواتر تو مولویوں کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے۔ پھر اس کا منکر کیسے کافر ہو گیا۔ حضرت نے جواباً فرمایا کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ یہ قرآن مجید جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوا۔ اور ہم تک اسی حالت حفاظت میں چلا آیا۔ اس حالت حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے۔

پہلے تو مرزائی بہت جھگڑا ۔ پھر کہنے لگا ہم اس کو تواتر کہتے ہیں ۔ فرمایا یہی تو میں کہہ رہا تھا ۔ (مرزا غلام احمد نے تو کفار کے تواتر کو بھی تسلیم کیا ہے ۔

پھر جو چیزیں تواتر سے ثابت ہوں ۔ جیسے ختم نبوت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام ۔ چنانچہ پہلے گذر ا ہم انکار کرنے والے شخص کو بالاجماع کافر کہیں گے ۔

اربعین میں غلام احمد نے تمام انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ حتیٰ کہ یوں کہا ہے کہ میں محمد بھی ہوں ۔ پس ان کے کلمہ پڑھنے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۔ کیونکہ محمد رسول اللہ سے غلام احمد کی مراد اپنی ذات ہے ۔ مرزا صاحب نے بہت سے اسماء کا مسمیٰ بدل دیا ہے اور بہت سے مسمیٰ کے مصادیق بدل دیئے ۔ غرض اسلامی لٹریچر بدل دیا ۔

امت کا اجماع ہے کہ اس آدمی کی تکفیر کی جائے گی جو آدمی اس علم کا جو دین میں بالضرورہ معلوم ہے انکار کرے ۔ اور اس کی ردت کا حکم کیا جائے گا ۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین قیم تمام لائے ہیں کسی کو کوئی حق نہیں کہ آپ پر استدراک کرے ۔ اور آپ کے دین کو آپ کے بعد کامل کرے ۔ پس اسلام اور ایمان نسبی نام نہیں کہ اس کے ساتھ چمٹا رہے ۔ بلکہ تصدیق اور عمل کا نام ہے ۔

(ایثار الحق علی الخلق للمحقق الشہیر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی ص۱۵ )

یہ جان لو کہ اصل میں کفر جان بوجھ کر تکذیب کرنا ہے کسی چیز کی اللہ کی کتابوں سے یا کسی کی اللہ کے رسولوں سے ۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کلمہ کفر کہے ھازلاً یا لاعباً اس کی تکفیر کی جائیگی (رد المحتار عن البحر) جیسا کہ خانیہ میں ہے ۔ اگر انبیاء کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ نبوت کے وقت اور اس سے قبل انبیاء کو معصوم نہیں جانتا اس کی تکفیر کی جائے گی ۔ کیونکہ یہ رد نصوص ہے ۔

جامع الفصولین میں ہے ۔ اگر کسی نے کلمہ شہادت علی وجہ العادت کہا تو اسے کچھ نفع نہ دے گا ۔ جب تک کہ جو کہا تھا اس سے نہ لوٹے ۔ کیونکہ کلمہ شہادت سے اس کا کفر رفع نہیں ہوتا ۔

ابن حزم کی کتاب الفصل میں ہے۔ جو چیز بالاجماع ثابت ہو کہ رسول اللہ نے یہ چیز کی تھی پھر کوئی اس کا انکار کرے بالاتفاق اسے کافر کہا جائے گا۔ اور جو آدمی استہزا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا کسی فرشتے سے یا اس کے انبیاءؑ میں سے کسی نبی سے یا قرآن پاک کی کسی آیت سے پس وہ کافر ہے۔

قاضی عیاض کی شفا کی شرح صفحہ ۳۹۳ جلد ۲ میں ملا علی قاری نے فرمایا ہے

اجمع عوام اهل العلماء ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل قال محمد بن سحنون اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المستنقص له کافر ومن شك فی کفرہ کفر۔

اگر کسی شخص نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر ہیں یا فرشتہ۔ یا جنات میں سے ہیں یا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عربی ہیں یا عجمی تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کو اس نے جھٹلایا۔

اور حافظ ابن تیمیہ نے کتاب الصارم المسلول صفحہ ۵۱۹ پر لکھا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔ لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم اِنما کنا نخوض ونلعب کہنے میں جھوٹے ہو بلکہ ان کے خوض اور لعب پر ان کی تکفیر کی۔ کہ وہ ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے تمیم داری کے ترجمے میں کہ قبر میں سوال ہوگا خاتم الانبیاءؑ کے متعلق۔

قرآن پاک نے ان کا نام رکھا الملحدین۔ اور حدیث پاک میں اس کو باطنیت سے پکارا اور علماء نے ان کو زندیق کہا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا

امام ابی یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں وکذلك الزنادقة الذین یلحدون وقد کانوا یظهرون الاسلام۔

ابن عباسؓ نے فرمایا یضعون الکلام فی غیار موضعہ
مرزا غلام احمد نے انبیاء کی توہین اس قدر کی ہے کہ جس کو سُنکر جگر شق ہوتا ہے۔
خصوصاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس سے جو کسی کے کندھے پر رکھکر بندوق چلانا ہو وہ
زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے کئی جگہ کسی اور کا نام لکھ دیا ہے
میرا ایک قصیدہ ہے اس میں شعر ہے۔ ؎

تفکہ فی عرض النبیین کافر
عتلّ زنیم کان حقّ مُھان
یلذ لہ بسط المطاعن فیھم
ویجعل نقلاً عن لسان فلان
فشانیٔ شانُ الانبیاء مکفرٌ
ومن شک قل ھذا الاول ثان

جیساکہ بہار دانش میں حکایت ہے۔ وہ حکایت بازاری ہے۔ جب اس کو معلوم
ہُوا۔ جب پتہ چلا وہیں بیٹھا سن رہا ہے۔ تو اس سارے قصے کو خواب بنا دیا۔

وھذا کمن رانی عدوّاً لیسبّہ
یجمع اشد السب من شنان!
فصیرہ رویا و قال باخر!
اذا نفتحت عینی من الخفقانی

حضرت شاہ صاحب کا بیان قادیانیوں کے خلاف ہو رہا تھا۔ تو آپ نے دوران
تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ مرزا صاحب نے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے۔ جو صراحۃً
کفر ہے۔ والعیاذ باللہ۔
اس پر قادیانیوں کے نمائندے نے کہا کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب
نے اپنے مرشد کی وفات پر کہا تھا کہ مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مسیحائی کو
دیکھیں۔ ذرا ابن مریم اس شعر میں مولانا محمود الحسن صاحب نے صریح توہین حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی کی ہے۔ پھر آپ ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ یہ سن کر مولانا مرتضیٰ حسن نے فرمایا کہ یہ حضرت یعقوبؑ کا شعر نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے جواب دیا۔ کہ شعر تو حضرت مولانا کا ہے۔ جج صاحب لکھو میں جواب دیتا ہوں۔ حضرت مولانا اس شعر میں اپنے شیخ کے لئے داد مانگ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں اور میرے شیخ کے کارنامہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور داد دیں۔ جیسے چھوٹے بڑوں سے داد مانگا کرتے ہیں۔ چونکہ آپ تشریف لانے والے ہیں۔ اسی واسطے آپ ہی سے داد بھی لینا ہے۔

ضروریات دین میں فقط استتابہ ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ ایما رجل ارتد عن الاسلام فادعہ فان عاد والا فاضرب عنقہ

روافض کے اکفار میں اختلاف ہے۔ (علامہ شامی) ابن عابدینؒ عدم تکفیر کی طرف ہیں۔ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کو پیش آیا وہ علامہ شامی کو پیش نہیں آیا مسئلہ کا اختلاف مبنی ابتلاء کا ہے ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ علامہ شامی سے فقیہہ ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کو بھی ہم نے شامی سے فقیہہ النفس پایا۔

ایک دفعہ فرمایا یہ جو حدیث میں آیا ہے "من قام لیلۃ القدر ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ" (بخاری)

اس کی شرح کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہئیے۔ "من ھم بحسنۃ کتب لہ عشر حسنات اذا اشعر بہ قلبہ وحرص بہ"۔ یہ اشعار قلب اور حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے۔ جو نفس نیت پر ایک امر زائد ہے نیت پر بھی ثواب ملتا ہے اور احتساب پر ثواب مضاعف ہو جاتا ہے۔ گویا احتساب نیت کا استحضار ہے۔ فرمایا "او کسبت فی ایمانہا خیرا" میں او بمعنی واو ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں یہی لکھا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں تو واو ہی آیا ہے۔

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے۔ "لا ینفع ایمانہا لم تکن امنت من قبل او امنت ولم تکن فی ایمانہا خیرا" تاکہ مقابلہ صحیح ہو سکے۔ اس کا

* اکفار کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اصل میں جو ابتلاء حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ

جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا ہے۔ ابن حاجب نے بھی جواب دیا ہے۔ اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی اور ناصر الدین نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں، اور دو چیزوں میں منافات کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مقصد ایمان اور کسب خیر دونوں کی نفی ہے۔

فرمایا حضرت حکیم بن حزام سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی ہیں۔ ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا " اسلمت علیٰ ما اسلفت من خیر" تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے ہو یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ اعمال خیر بھی قائم رہے اور اس وقت کی طاعات بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ کفار کی طاعات وقربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں۔ کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی ضروری نہیں۔

طاعات وقربات سے مراد صلہ رحمی۔ تحمل۔ بردباری۔ غلام آزاد کرنا۔ صدقہ رحم وکرم۔ جواں مردی۔ بخش دینا۔ عدل وانصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات اخروی کا سبب نہیں بن سکتے۔ نہ وہاں کے ثواب ونعمت کا مستحق بنائیں گے۔

البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیف عذاب کا سبب بن سکیں گے اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی۔ چنانچہ ابو طالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صراحتاً احادیث میں مذکور ہے۔

فرمایا یہ جو حدیث ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احسن احدکم اسلامہ فکل حسنة یعملها تکتب له بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف وکل سیئة یعملها تکتب له بمثلها" (بخاری)

میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے اور زمانہ کفر کے

تمام برے اعمال سے توبہ کرے۔ اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم مصمم کرے۔
ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءۃ اسلام یہ ہے کہ اسلام لائے۔ مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے۔ ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہو گیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا۔ پس جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو۔ (من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ)

ایک دفعہ غالباً ۱۳۴۸ھ بیروں کا موسم تھا۔ اور احقر دیوبند حاضر تھا۔ حضرت شاہ صاحب بھی ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے۔

حضرت صحن میں چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ مولانا مشیت اللہ صاحب اور بہت سے مہمان بیٹھے تھے۔ کمال مہربانی فرمائی۔ ہمیں دیکھتے ہی چارپائی سے اٹھکر ننگے ہی پاؤں ہماری طرف تشریف لائے۔ اور مصافحہ فرمایا۔ پھر مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ اور ان کو بیر کا چھلکا اتار کر عنایت فرما رہے تھے۔ ایک طبق ہماری طرف بھی رکھ دیا۔ اور ایک طالب علم کو فرمایا کہ ان کو چھیل کر کھلاؤ۔ اور دوسرے طالب علم کو جیب مبارک سے ایک روپیہ نکال کر دیا۔ اور فرمایا کہ بکری کا عمدہ گوشت بازار سے لاؤ۔ پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

مولوی محفوظ علی صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں حضرت فرما رہے تھے کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں۔ کھانا عمدہ پکائیو۔ پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دو ٹوکرے باقرخانیوں کے لے آئے۔ اتنی تکلیف کیوں اٹھائی۔ اگر کوئی شے لانا ہی ہو تو پیسہ سی چیز لے آیا کرو۔ میرے ہاں محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہت تھوڑی چیز لانا چاہیئے۔

پھر فصل الخطاب کے متعلق میں نے تذکرہ شروع کر دیا۔ کہ ایک صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے۔ بڑی ہی "تعلی" دکھائی ہے۔

فرمایا جب عناد پر کوئی اتر آئے تو اس کا کیا علاج ہے۔ عصر کے وقت مولانا

مشیت اللہ چلے گئے۔ ہم سب نماز کے لئے قریب والی مسجد میں چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحب نے خود امامت کرائی۔ اسی طرح سب نمازوں میں خود ہی امام بنے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت کی اقتدا میں کئی نمازیں نصیب کر دیں۔

دوسرے دن بعد نماز فجر ہی ہمیں بلایا۔ اور بڑی شفقت فرمائی۔ میں نے بعض عبارت فصل الخطاب کا مطلب پوچھا۔ نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے جواب عنایت فرماتے رہے۔ اس پر بڑے خوش ہوئے۔ کہ اس کو کتاب پر نظر ہے۔ پھر فرمایا آپ ذرا لیٹ جایئے۔ یہ کمبل ہیں ان کو نیچے بچھا لیجئے۔ خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے۔ ہم نے متبرک سمجھکر تکیہ کے نیچے رکھ لئے۔ پھر دوپہر کو کھانا بر تکلف بھیجا۔ مولانا محفوظ علی اور مولانا محمد ادریس سیکروڈوی اور کئی ایک مہمانوں نے ملکر کھانا کھایا۔

پھر بعد ظہر میں نے عرض کہ ساتھی کو بیعت فرمالیں۔ نہایت شفقت سے قبول فرمالیا۔ اور دوازدہ تسبیح چشتیہ کا ذکر تلقین فرمایا۔ پھر احقر نے دو تعویذوں کے لئے عرض کیا۔ کہ نظر کا تعویذ ایک میرے بچے کے لئے اور ان کے بچے کے لئے درکار ہے۔ فرمایا میری تو دوات تعویذ کے قابل نہیں رہی۔ خشک سیاہی پانی ڈالنے سے پھیکی ہو جائے گی۔ اور پرانی بو دار اس سے تعویذ نہیں لکھنا چاہیئے۔ عرض کیا کہ تعویذ تو حضرت سے لکھوانا ہے پھر دوات میں سیاہی نئی ڈلوائی اور تعویذات لکھکر ہمارے حوالے کئے۔ فرماتے تھے خود ہی لکھ لینا" اعوذ بکلمات اللہ التامات من کل شیطان وھامۃ وکل عین لامۃ" ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اس پر یہ الفاظ بھی زیادہ کرے ۔" حصنتك بحصن الف الف"

احقر نے عرض کیا کہ حضرت ہی تحریر فرمادیں۔ پھر بڑی عنایت ہوئی۔

جب شام کی گاڑی ہم واپس ہونے لگے تو فرمانے لگے اگر کوئی اور گنجائش ہو تو اور ٹھہر جاؤ احقر نے عرض کیا کہ کل کو رخصت لے لیں گے۔ پھر اگلے دن صبح کو مجلس ہوئی۔ جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ آپ کی مہمانی کا تفقد نہیں ہو سکا۔ کچھ خیال نہ کرنا۔ میں بھی علیل ہوں مجھے بہت رقت ہوئی کہ اتنی شفقت پر بھی یہ عذر۔

# حضرت مولٰنا خیر محمد صاحب بانی و مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس کے تاثرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے فرمایا کہ میں بحر علم وعمل قدوۃ المحدثین، زبدۃ المدققین حضرت علامہ مولٰنا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ کے متعلق کچھ یادداشت قلم بند کروں مگر آپ کو معلوم ہے کہ بیماری کی وجہ سے میرا حافظہ باقی نہیں رہا۔ صرف ایک دو باتیں بالمعنٰی عرض کرتا ہوں (وھی ھذا)

جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند میں تھے۔ اس وقت میں تھانہ بھون گیا ہوا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر دیوبند آیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس وقت اوپر والے کمرے میں تھے، جو دارالتفسیر کے قریب ہے۔ اتفاق سے اکیلے تھے۔ میں ملا اور مؤدبانہ ملاقات کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں۔ بعد میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" دی اور فرمایا کہ اس کو دیکھنا۔ پھر فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ کتاب طلباء کو مفت دی۔ مگر بعض طلبا نے بازار میں چار آنہ میں بیچ دی۔ مفت کی یہ قدر کی۔ پھر فرمایا کہ میرے دل میں مضامین ابلتے اور جوش مارتے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ان کو بذریعہ تحریر ظاہر کروں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرا آدمی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے۔ جب وہ مضامین جوش ماریں، تو میں لکھوا دیا کروں۔ افسوس کہ ایسا آدمی نہیں ملتا۔ جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا۔ اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں نکالتا۔

جب حضرت شاہ صاحب ڈابھیل چلے گئے اس کے بعد ایک وقت دیوبند آئے ہوئے تھے۔ غالباً رمضان المبارک میں یا عید الاضحٰی کے بعد۔ بندہ معہ چند رفقاء تھانہ بھون گیا ہوا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم سب دیوبند آئے۔ غالباً مولوی محمد رمضان صاحب

اور مولوی عبد اللہ صاحب رائے پوری وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے گھر پر حاضر ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب اقدس سرہ کو مرض کی وجہ سے کچھ ضعف ہو رہا تھا۔ مگر شفقت بزرگانہ سے ساتھ بیٹھے اور افادیت سے متمتع کیا۔

میں نے ایک عبارت مغنی ابن قدامہ کی پوچھی۔ فرمایا وہ ابن قدامہ کی مغنی جو مطبوعہ ہے۔ وہ غلط ہے۔

صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے۔ میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی۔ چنانچہ باوجود ضعف کے اٹھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی۔ میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جالندھر کے کتب خانہ میں رہ گئی)

میں اس وقت اپنا رسالہ "خیر الکلام فی ترک الفاتحۃ خلف الامام" لکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس کے اٹھائیس صفحے تیار ہوئے تھے میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی ومولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدست اسرارہم کو سنائے۔ حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دئے یعنی اس رسالہ کے دو چار ورق سنائے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے بھی پسند فرمائے۔ تو میں نے سوال کیا کہ آپ نے غیر مقلد کا رسالہ "الکتاب المستطاب" دیکھا ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ میں جہلاء حمقاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اور اس میں بعض باتیں قابل استفسار ہوتی ہیں۔

فرمایا جو بات قابل استفسار ہوا کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں۔ میں جواب دوں گا۔ اگر کسی شخص کی طرف نسبت ہوئی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سند حدیث شاد یجئے۔ اور اطراف کتب حدیث سن لیجئے۔ فرمایا کہ میں آپ کو بلا سُنے سند دیتا ہوں۔ اور اجازت دیتا ہوں۔ میرا آپ

پر اعتماد ہے۔ اگر سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا۔ جب میں ڈابھیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

بندہ خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۱۸/۷ جمادی الاُخریٰ ۱۳۸۳ھ

---

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام تلپائی۔ دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا حضرت شیخ الہند نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ نائب مہتمم دار العلوم دیوبند کی زبانی سُنیئے۔ آپ "القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ اور محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں۔

اس کے بعد جناب مولنٰنا سید محمد انور شاہ صاحب مدرس دار العلوم نے نہایت فصیح بلیغ عربی زبان میں برجستہ تقریر فرمائی۔ مولنٰنا موصوف کے فضل و کمال علمی اور فصاحت و بلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں۔ مولنٰنا کی تقریر ایک جانب اگر باعتبار زباندانی اور فصاحت روانی کے بے مثل تھی تو دوسری جانب ایسے مضامین اور حقائق اصول دین و نکات علم کلام و حدیث پر حاوی تھی جو کم کسی نے سُنی ہوگی۔ حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر و مضامین پر محو حیرت تھے۔ نہایت غور کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ تھے۔ اور استحسان و تسلیم کے ساتھ گردن ہلاتے تھے۔ مولنٰنا نے جو مضامین بیان فرمائے وہ حقیقت میں ایسے تھے۔ کہ دوسرا شخص گو کتنا ہی وسیع النظر اور قادر علی الکلام ہو متعدد مجالس میں بھی ادا نہ کر سکتا تھا۔ مگر آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ ان ہی مضامین دقیقہ کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر اس طرح بیان کر دیا کہ نہ فہم مضامین میں خلل واقع ہوا نہ کوئی ضروری بات فرو گذاشت ہوئی نہ بے ضرورت زائد از حاجت ایک جملہ زبان سے نکلا۔ اس میں بھی ذرا شک

نہیں کہ اگر ہفتوں سوچ کر اور عبارت کو مہذب منقح بنا کر کوئی شخص لکھتا اور یاد کر کے سناتا تو ایسی سلاست و روانی کے ساتھ نہ پڑھتا اور ایسی واضح و برجستہ تقریر نہ کر سکتا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

(شیخ الاسلام خلیپائو نے جوابی تقریر میں یہ بھی فرمایا) اور آج مجھ کو استاد جلیل (مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) نے اس مدرسہ کے مؤسس اور بانی کے اصول در بارہ اشاعت علوم تائید دین سمجھائے ہیں۔ تو مجھ کو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ اہلسنت والجماعت کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور یہی طریقہ میرے نزدیک اہل سنت وجماعت کا ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے متبع ہیں۔ اور طریقہ سنت کی تائید اور مبتدعین کا رد بھی عین سنت اور فرائض علماء میں داخل ہے۔"

اور آخر میں قسم کھا کر فرمایا "آج استاد جلیل (مولانا محمد انور شاہ صاحب) کے ذریعے سے حقائق اور معارف علوم دین کے ایسے بے بہا موتی میرے کان میں پڑے جو آج تک کبھی نہ سنے تھے۔ اور یہ مجلس ہمیشہ یاد رہے گی۔"

ایک دفعہ لاہور آسٹریلیا مسجد حوض کی چھت پر چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ احقر نے دریافت کیا کہ کیا لما ظرفیہ کا صلہ فا بھی آتا ہے۔ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اشمونی نے لکھا ہے۔ کہ جائز ہے۔ اور استدلال میں آیت پیش کی۔ " فلما نجٰهم الى البر فمنهم مقتصد الآیہ"

اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے۔ پھر احقر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی صك ثم لما وفقت بعون الله وتائيده للاتمام ا؎ فجاء بحمد الله كما يروى النواظر"۔۔۔ نیز تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صـ۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نفیس کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے۔ " مثل ابی هريرة وابن عمر وذويهما" صـ۲۳ مسلم میں آخری سطر میں۔ نے جستجو کی تو بہت سی کتابوں

میں یہ مل گیا۔

مختصر المعانی ص۱۸۰ مطبوعہ مجتبائی دہلی " اسلم من الفصل بین الحال وذیہا بالاجتبی رجال لتم خاصمتم عنہم عن طعمۃ وذویۃ" جلالین ص۸۶ مطبوعہ نور محمد کراچی

مقامات حریری ص۱۰۱ میں ہے :۔ فجاءت بابن لیبیث ذوییہ (وغیرها من الکتب)

ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا ناجائز لکھا ہے اور درۃ الغواص کا حوالہ دیا ہے ۔ حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے۔ اور صحاح جوہری میں ہے " جامعہ علی کذا اے اجتمع معہ "

مسلم شریف میں بھی ص۲۵ پر فرماتے ہیں۔ ولم یذکر قدوم ابن المسعودؓ واجتماع ابن عمرؓ معہ "

اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص۳ میں ہے :۔ ان یقع ظرفا لما اجتمع معہ " شرح ملا جامی ص۵ لا یجتمع مع اللام والاضافۃ " تذکرۃ الحفاظ ص۱۸۶ ج ۳ " رایت یوما اجتمع مع الدار قطنی

تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۴۲۹ " اجتمع معہ " وص۴۰۰ " ان یجتمع مع الاولاد الی غیر ذلک من العبارات

فرمایا کہ ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی حیرت کا اظہار کیا ۔ پھر روح ہی کی تحقیق پر حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ بھی اور تحقیقی بھی ہے ۔ فرمایا کہ شاہ صاحب جب روحانی آدمی تھے اس میں علم کو مضاف استعمال کیا ہے۔

اس پر اعتراض ہوا کہ علم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا ۔ یہ محاورہ عرب کے خلاف ہے ۔ پھر یہ معاملہ صاحب نفحۃ الیمن تک پہنچا تو اس نے کہا علم کو مضاف وہی استعمال کر سکتا ہے جو لغات عرب پر عبور تام رکھتا ہو ۔ یہ کوئی بڑا ادیب ہے

جس کا یہ کلام ہے۔ تو اعتراض کرنے والوں کو تسلی ہوئی۔

احقر مارچ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں مولانا محمد ادریس سیکروڈوی بھی حاضر تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے اذکار و اوراد سے فارغ ہو کر ہمیں اندر بلا لیا۔ میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔

فرمایا فلا تفعلوا الا بام القران میں کلمہ استثنا کے بعد تعیین فاتحہ کرنا شارح کو منظور ہے یہ نہیں کہ تعمیم فاعل بیان کرنا مقصود ہے۔ پس لا تفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن میں ناظرین پر ملتبس ہو گیا کہ الا ان تفعلوا جو کلمہ ام القرآن سے قبل مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر جو واؤ ہے اس کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ حالاں کہ مقصود ام القرآن کی تعیین ہے۔ گویا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی سے بطور لزوم پڑھانا مقصود نہیں۔ اگر کوئی پڑھے تو اباحت مرجوحہ موجود ہے۔

فصل الخطاب ص ۲۷ کی اصل عبارت یہ ہے:-

ویحتمل ان یکون لفظ محمد بن اسحٰق من اولہ الی اخرہ مسئلہ وجوب الفاتحہ فی الصلوٰۃ قصداً مع الاباحۃ للمقتدی تبعاً و لیس التعلیل لعموم الفاعل وھو الضمیر فی الا ان تفعلوا المقدر بل لتعیین المفعول بہ ایاھا وھو قولہ الا بام القرآن وھما امران فالمطلوب ذات الفاتحۃ ووجودھا علی شاکلۃ فرض الکفایۃ لا عمل کل واحد لزوماً فان فعل من شاء منھم فھو فی حد الاباحۃ المرجوحۃ والتبس علی الناظرین تعیین المفعول بہ بتعمیم الفاعل لزوماً

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کا تو شرح صدر ہو گیا۔ اور بات سمجھ میں آ گئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا دو طلبہ کرائے یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ

شاہ صاحب لفظ ان تفعلوا جو الا کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں،
تقدیر عبارت یوں ہے۔ لا تفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ
لمن لم یقرا بہا"

چنانچہ حدیث مرفوع میں اسی طرح ارشاد ہے۔ "قال لا تفعلوا الا ان
یقرا احدکم بفاتحۃ الکتٰب فی نفسہ"

یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحبؒ کو یہ معلوم نہیں کہ لا تفعلوا
میں ضمیر مقدر ہے یا بارز۔

دیکھئے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔"

" وھو الضمیر فی لا تفعلوا البارز" حضرت شاہ صاحب فرما رہے
ہیں۔" ھو الضمیر فی الا ان تفعلوا المقدر"

اول تو جناب نے لفظ ہی بدل دیا۔ الا ان تفعلوا کی جگہ لا تفعلوا نہی کا
صیغہ لکھ مارا۔ پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا،
بلکہ یہ فرمایا کہ ان تفعلوا جو کہ مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر واؤ کی تعمیم مقصود نہیں۔
چنانچہ اس سے صریح عبارت فصل الخطاب صہ ۶۸ میں یہ ہے۔

" اے ان قولہ فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بہا لیس تعلیلاً لعموم
الفاعل فی الا ان تفعلوا بل لتعیین ان المقروٴ ان کان فھو الفاتحۃ
لا غیرھا وھو المناسب انتھیٰ"

اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ معترض کو عبارت سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔
نعوذ باللہ من شرور انفسنا"

اسی طرح اور بھی کچھ اعتراضات کئے جس کے تحقیقی جوابات ہم نے دوسری جگہ

دیئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے درس میں بعض اوقات ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں
ایک دفعہ فرمایا کہ ایک مغفل کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے
لگا۔ جب اترنے لگا تو طریقہ بھول گیا۔ ایک اور مغفل بھی آ گیا۔ اس نے رسّہ طویل نیچے
سے اس کی طرف پھینکا۔ کہ اس کو اپنے بدن کے ساتھ باندھ لے میں نیچے نیچے کھینچ
لوں گا۔ نیچے کھینچا تو بیچارہ گر کر مر گیا۔ لوگوں نے اس کو پکڑا۔ یہ تو نے کیا کیا۔ بے چارے
کی جان بھی گئی۔ جواب دیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو کنوئیں سے اسی طریق سے
اوپر کھینچ لیا تھا اسی پر قیاس کر کے میں نے سمجھا

"نیچہ دہ گز بہ بالا چہ دہ گز بزیر"

فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبریؒ درس حدیث دے رہے تھے۔ کوئی رئیس
آیا اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر جانے لگا۔ ابن جریر رحمہ
اللہ نے اٹھا کر تھیلی کو پھینک دیا تھیلی پھٹ کر دینار اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اور رئیس ان کے
پیچھے دوڑنے لگا۔ اور جمع کرنے لگا۔ حضرت ابن جریرؒ فرمانے لگے جب تو نے یہ اشرفیاں
مجھے دے دی تھیں تو اب تم کس لئے جمع کرتے ہو۔ اب تو تمہاری ملک رہی نہیں۔ سچ ہے
دنیا کی حرص بری چیز ہے۔

فرمایا ایک دفعہ میں اور مولانا اصغر حسین صاحب مدرسہ دیوبند کے لئے
چندہ کی غرض سے سورت گئے۔ میزبان نے کچھ کھانا لا کر رکھا۔ ہم کھانے لگے۔ میں نے خیال
کیا کہ اور تو شاید آئے گا نہیں اسی میں گذارہ کر لیا۔ تھوڑی دیر میں اور کھانا بھی لے آئے۔
مولانا اصغر حسین صاحب فرمانے لگے۔ کہ "تو کیوں نہیں کھاتا؟" میں نے کہا مجھے تو یاس کلی
ہو چکی تھی اب کھانا اور نہیں آئے گا۔ لہٰذا میں نے اسی میں گذارہ کر لیا۔ اس "یاس کلی"
پر بہت مسکراتے تھے۔

انما الاعمال بالنیات و انما لامرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی
اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا

یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ"۔ بخاری وغیرہ۔

فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں۔ عمل۔ نیت۔ غایت۔ پہلی کی طرف اشارہ فرمایا "فمن کانت ھجرتہ" عمل کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور ثانی کی طرف اشارہ فرما دیا "الی اللہ ورسولہ" پس الی اللہ یہ نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرما دیا "فھجرتہ الی اللہ ورسولہ" پس وہ غایت ہے۔ ایسا ہی جملۂ ثانیہ میں ہے۔

فرمایا لفظ مسیح ماشیح کا معرب ہے۔ اس کے معنی عبرانی زبان میں مبارک اور لفظ عیسیٰ الیشوع سے لیا گیا ہے۔ اس کے معنی مخلص اور فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں جب مراد اس سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق عملی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی منتظر باقی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے واپس تشریف لانے سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء کی تعداد چونکہ ختم ہو گئی اس لئے پہلے انبیاء میں سے لایا گیا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت ہے۔ اس لئے ان ہی کا انتخاب ہوا جس نبی نے صراحتاً بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی دی وہی آ کر تصدیق بھی فرمائیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہو لئے گئے۔

لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے۔ حضرت مولانا مدنیؒ بھی تشریف فرما تھے مولانا سید محمد طلحہ صاحب بھی تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیرؒ نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے۔ اور جب کسی مسئلہ میں علماء اُلجھ جاتے تو سلطان عالمگیرؒ جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہو کر تحریر ہوتا تھا۔ یہ اس کے وفور علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

# یوم عاشوراء کی تاریخ کی تحقیق

(از قاسم علی بی اے دیوبند ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۳۰ھ)

---

عالیجناب صوبیدار صاحب کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ جملہ فقہاء و محدثین کے نزدیک یوم عاشوراء دسویں محرم ہے۔ لیکن روایات حدیث اور حساب دونوں اس کے خلاف ثابت ہے۔

احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس روز مدینہ منورہ تشریف لائے۔ یہود مدینہ کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ ان سے وجہ روزہ کی دریافت کی گئی۔ تو انہوں نے کہا " یہ دن بہت مبارک ہے"۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن یعنی فرعون سے نجات دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز روزہ رکھا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہم تو بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا اتباع کریں"۔ تب آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا۔ اور یہ مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ تشریف لانا ۸ ربیع الاوّل کو ہوا۔ اور ۸ ربیع الاوّل مطابق ہوتی ہے ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ عیسوی کے اور ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء مطابق ہوتی ہے دہم تشرین کے ان دونوں مقدموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یوم عاشوراء جس کے روزے کا مسلمانوں کو وجوباً یا استحساناً حکم دیا گیا ہے دہم تشرین ہوتی ہے۔ فقہا کا صوم عاشوراء کے لئے دسویں محرم کو متعین کر لینا ظاہراً غلط معلوم ہوتا ہے۔ کسی حساب سے ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء دسویں محرم کے مطابق نہیں ہوتی۔ مولینا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ۔ فقہا و محدثین۔ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ عاشوراء دسویں محرم ہے۔ اس میں ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بدیں تفصیل مروی ہے۔" حکم بن الاعرج کہتے ہیں میں نے حضرت

ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ عاشوراؑ کا روزہ کس روز رکھوں؟" فرمایا کہ جب تم ہلال محرم کو دیکھو تو شمار کرتے رہو جب نویں تاریخ ہو روزہ رکھو۔ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روزے رکھتے تھے؟ فرمایا ہاں!

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یوم عاشورا محرم کی دسویں تاریخ ہے۔ رہا نویں تاریخ کا روزہ یہ اس بناء پر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نویں محرم کے روزہ کو دسویں کے ساتھ ملانا چاہتے تھے۔ اس کے خلاف ایک روایت کی بناء پر بظاہر اشکال واقع کیا گیا جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فرأی الیھود تصوم عاشوراء" الحدیث

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ لیکن درحقیقت یہ اشکال واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ جس روز مدینہ میں تشریف لائے اسی روز یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ بلکہ روایت کا یہ مطلب ہے کہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اول مرتبہ جب محرم آیا تو آپؐ نے دسویں تاریخ یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔

اور صاحب نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام کی یہ روایت کہ یوم قدوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء تھا کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ روایت صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اس کے نقل و سیاق میں ضرور تخلیط واقع ہوئی ہے۔ اور اگر اس کو ثابت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ وہ دن عاشوراء مسلمین کا دن تھا۔ بلکہ یہود کے بعض فرقوں نے یوم عاشوراء کو جو قمری مہینے کے حساب سے ہوتا تھا شمسی مہینے میں لے کر اس دن اور تاریخ کو بدل دیا تھا پس ممکن ہے کہ ان بعض یہود کے حساب سے عاشوراء کا دن ہو نہ کہ مسلمانوں اور اکثر یہود کا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی قابل اعتماد روایت سے یہ امر ثابت نہیں۔ کہ آپؐ کے

تشریف لانے کا دن عاشوراء کا دن تھا۔ اور سارے اشکال کی بنیاد صرف اتنی سی بات پر تھی۔ پوری تحقیق اور تفصیل مولانا کے کلام میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد بے حد مر حی قیوم را کہ تصرف از زمان و اکوان در حیطۂ قدرت اوست و تشریف چیزے بر چیزے بمقتضائے " کل یوم ھو فی شان " آیت کبریا و عظمت او۔ و درود نامحدود بر سید موجودات و سرور کائنات کہ سنت غرّاء اوے تحیت بیضاء است و طلعت سعید وے عید سنۂ شہباء دین متین وے غرۂ جبین سعداء و قرۂ عیون کملاء و بر آل و اصحاب وے و جملہ اتباع و احباب وے۔

اما بعد۔ ایں سطرے باقتضائے حال در حل بعض اشکال متعلق تاریخ یوم عاشوراء در سلک تحریر کشیدہ شد و مرام ازاں محض تحقیق مقام است لاغیر و بخدا توفیق باید دانست کہ یوم عاشوراء بمقتضائے احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و اتفاق امت مرحومہ یوم عاشوراء از محرم الحرام حسب رویت ہلال است۔

" قال فی عمدۃ القاری وھو مذھب جمھور العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم اھ "

وقال الزرقانی وقال القاضی والنووی الذی تدل علیہ الاحادیث کلھا انہ العاشر وھو مقتضی اللفظ اھ "

و در جامع ترمذی عن الحسن عن ابن عباس روایت کردہ قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصوم یوم عاشوراء الیوم العاشر اھ۔

وقال فی عمدۃ القاری ومنھا ما رواہ البزار من حدیث عائشۃ بلفظ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بصیام عاشوراء یوم العاشر رجالہ رجال الصحیح۔ اھ

وحدیث صحیح مسلم عن الحکم ابن الاعرج قال انتھیت الی ابن

عباس وهو متوسد رداءه في زمزم فقلت اخبرني عن يوم عاشوراءُ أي يوم أصومه فقال اذا رأيت هلال المحرم فاعدد ثم اصبح من اليوم التاسع صائماً قلت اهكذا كان يصومه محمد صلى الله عليه وسلم فقال نعم الخ۔

پس جواب بر اسلوب حکیم است یعنی در تعیین عاشورا ہیچگونہ خفا نیست کہ عاشر محرم الحرام است۔ آرے قابل لحاظ ایں امر است کہ تاسع نیز در صوم عاشرہ ضم باید کرد و در قول وے اہکذا یصومہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال نعم الخ۔

ہم اسلوب حکیم است کہ تشبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را کہ اگر تا عام قابل زندہ ماندے تاسع را ہم با عاشر در صوم ضم کردے ازل بمنزلہ فعل آنحضرت داشتہ چنانکہ سیاق طحاوی بریں معنی دلالت کند۔

قلت لابن عباسؓ اخبرني عن يوم عاشوراء قال عن اي باله تسأل قلت اسأل عن صيامه اي يوم اصوم قال اذا اصبحت من تاسعه فاصبح صائماً الحديث

قال في عمدة القاري فان قلت هذا الحديث الصحيح يقتضي بظاهره ان عاشوراء هو التاسع قلت اراد ابن عباس من قوله فاذا اصبحت من تاسعه فاصبح صائماً اي صم التاسع مع العاشر وبقوله نعم ما روي من عزمه صلى الله عليه وسلم على صوم التاسع من قوله لاصومن التاسع وقال القاضي ولعل ذلك على طريق الجمع مع العاشر لئلا يتشبه باليهود كما ورد في رواية اخرى فصوموا التاسع والعاشر وذكر رزين هذه الرواية عن عطاء عنه وقيل معنى قول ابن عباسؓ نعم اي نعم يصوم التاسع لو عاش الى العام المقبل وقال ابو عمر وهذا دليل على انه صلى الله عليه وسلم كان يصوم العاشر

الی ان مات ولم یزل یصومه حتی قدم المدینة وذلک [illegible]

من حدیث ابن عباس اه "

وقال فی فتح الباری ثم ما همّ به من صوم التاسع یحتمل معناه

انه لا یقتصر علیه بل یضیفه الی الیوم العاشر اما احتیاطاً له واما مخالفة

للیهود والنصاری وهو الارجح وبه یشعر بعض روایات مسلم

ولاحمد من وجه آخر عن ابن عباس مرفوعاً صوموا عاشوراء وخالفوا

الیهود صوموا قبله او یوماً بعده . ونحو این قول طحاوی هم است وابن عباس

خودش بر صوم دو یوم عامل بوده "

قال عمدة القاری وروی عن ابن عباس انه کان یصوم الیومین

خوفاً ان یفوته وکان یصومهم فی السفر

پس باشد که ابن عباس در صوم تاسع مع عاشر رعایت عزم نبی کریم صلی الله

علیه وسلم) در رعایت خوف فوت عاشر بسبب اختلاف رؤیت هلال هر دو نموده

باشد چه در فوائد تنائی هم نیست و معلوم است که جواب بر اسلوب حکیم طریقه مسلوکه

بلغاء است چنانکه قول الله تعالی شانه " یسئلونك عن الاهلة قل هی

مواقیت للناس والحج " را برین اسلوب فرود آورده گفته اند سوال از علت

اشکال قمر از زیادت و انتقاص بود. جواب بفوائد آن داده شده. واما استشکال

بحدیث ابن عباس رضی الله عنهما .

قال قدم النبی صلی الله علیه (وسلم) المدینة فرأی الیهود تصوم یوم

عاشوراء فقال ما هذا قال هذا الیوم [illegible] هذا یوم نجی الله بنی اسرائیل

من عدوهم فصامه موسی قال فانا احق بموسی منکم فصامه وامر

بصیامه اه .

پس [illegible] که باتفاق در ربیع الاول بوده نه در محرم پس استشکال بیجا

است زیرا که در صحیح روایت [illegible] که صوم یهود در روز [illegible] بود تا یا عاشر

محترم متناقض افتد پس صوم یہود دہم در محرم از سن ثانیہ بودہ۔

قال فی فتح الباری وقد کان قدومہ المدینۃ ولا شک ان قدومہ کان فی ربیع الاول فحینئذ کان الامر بذلک فی اول السنۃ الثانیہ فرض شہر رمضان فعلی ھذا لم یقع الامر بصیام عاشوراء الا فی سنۃ واحدۃ ثم فرض الامر فی صیامہ الی رای المتطوع اھ۔

وقال فی عمدۃ القاری فان قیل ظاھر الخبر یقتضی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ وجد الیھود صیاما عاشوراء والحال انہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فی ربیع الاول واجیب بان المراد ان اول علمہ بذلک وسوالہ عنہ بعد ان قدم المدینۃ لا انہ قبل ان یقدمھا علم ذلک وقیل فی الکلام حذف تقریرہ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقام الی یوم عاشوراء فوجد الیھود فیہ صیاما اھ

واما آنچہ صاحب نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام آوردہ کہ روز قدوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء بودہ وروایتے نیز دریں باب نقل کردہ۔ پس باوجود آنکہ در نقل سیاق روایت تخلیط واقع شدہ مقتضی ایں امر نیست کہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین باشد بلکہ یوم قدوم بحساب بعض یہود عاشوراء ایشان بود کہ دہم تشرین مے باشد ومطابق با ہشتم ربیع الاول افتادہ ایں بعض یہود عاشوراء را بحساب شمسی مے گرفتند کہ بریں تقدیر در شہور قمریہ دائر ماندے نہ آنکہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین باسائر یہود باشد کہ عاشوراء ایشاں بحساب ہلال مے گرفتند۔ واختلاف یہود را باعتبار عاشوراء خود از الفاظ حدیث مے تراود۔ چنانکہ در لفظ صحیح مسلم است عن ابی موسیٰ قال کان اھل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونہ عیدا ایلبسون نساءھم حلیھم وشارتھم فقال فصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصوموہ انتم اھ۔

ودر صحیح بخاری از ہجرت است " واذا اناس من الیھود یعظمون

عاشوراء ویصومونہ اھ۔

پس تقیید باھل خیبر و بناس من الیہود دلالت کند بر اختلاف یہود اندریں باب
وقال فی فتح الباری ویحتمل اولئک الیہود کانوا یحسبون یوم عاشوراء
بحساب السنین الشمسیہ فصادف یوم عاشوراء بحسابھم الیوم
الذی قدم فیہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وھذا التاویل
مما یترجح بہ اولویۃ المسلمین واحقیتھم بموسیٰ علیہ السلام
لاضلالھم الیوم المذکور ولھدایۃ اللہ المسلمین لہ اھ۔

پس تقیید کردہ بقول وے اولئک الیہود وتصریح نمودہ کہ ایں جماعت
یہود یوم عاشوراء را گم کردہ بودند۔ وہدایت کردہ خدا مسلمین را بصواب بعد ازاں
فرمودہ۔

ثم وجدت فی المعجم الکبیر للطبرانی ما یؤید الاحتمال المذکور
اولا وھو ما اخرجہ فی ترجمۃ زید بن ثابت عن ابیہ قال لیس یوم عاشوراء
بالیوم الذی یقولہ الناس انما کان یوم تستر فیہ الکعبۃ وکان یدور
فی السنۃ وکانوا یاتون فلانا الیہودی یعنی لیحسب لھم فلما مات
اتوا زید بن ثابت فسالوہ وسندہ حسن

قال شیخنا الہیثمی فی زوائد المسانید لا ادری ما معنی ھذا
قلت ظفرت فی کتاب الآثار القدیمہ لابی الریحان البیرونی فذکر
ما حاصلہ ان جہلۃ الیہود یعتمدون فی صیامھم واعیادھم
حساب النجوم فالسنۃ عندھم شمسیۃ لا ھلالیۃ قلت فمن ثم
احتاجوا الی من یعرف الحساب لیعتمدوا علیہ فی ذلک اھ

یعنی عاشوراء نزد بعض یہود پیش از اصلاح نبود۔ ایں عاشوراء معروف فیما
بین المسلمین الآن زیرا کہ آں روزے بود کہ کعبہ را آں روز جامہ میپوشیدندے و
چوں آں بعض یہود بحساب شمسی میگرفتند لہٰذا عاشوراء در شہور قمریہ دائر ماندے

تا آنکه اسلام بسوئے حساب قمری هدایت نمود همین است مرضی خدا و تقیید ابی ریحان بیرونی
بقول وے جهلة الیهود دلالت کند بر آن که اهل حساب بسبب کتاب سماوی خود
اوشان هم قمری بود اور البسوئے شمسی تحویل کردند و در بعض نسخ ها و تقادیم دیده شد
که حساب عبری از عهد آدم علیه السلام تا حال قمری است سوائے آنکه سال که تحویلیا
کردند و بعض مفسرین کریمه انما النسئ زیادة فی الکفر برائے تحویل فرموده ورد
زیرا که درین تحویل ـ تحویل اوقات شرعیه است که ناقص است ـ با اوضاع شرعیت

قال فی الکشاف وربما زادوا فی عدد الشهور فیجعلونها ثلاثة
عشر او اربعة عشر لیتسع لهم الوقت ولذلک قال عز وعلا ان عدة
الشهور عند الله اثنا عشر شهرا ای من غیر زیادة زادوها اھ ـ

و همچنین حدیث الا ان الزمان قد استدار کهیئته یوم خلق السموات
والارض السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاث متوالیات
ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی و
شعبان اھ ـ

ما ناکه مشرکین نیز پیش از اسلام بر همین حساب معمول داشتند پس خلاصه کلام آنکه
نبی کریم (صلی الله علیه وسلم) در صوم یوم عاشورا موافقت آن یهود نموده که در
تعیین وے بر حساب بودند نه موافقت آنانکه تحویل کرده بودند و درین یوم علاوه نجات
دیگر خصوصیات نیز هستند

قال فی فتح الباری ولاحمد من طریق شبیل بن عوف عن ابی هریرة
نحوه وزاد فیه وهو الیوم الذی استوت فیه السفینة علی الجودی
فصامه نوح شکرا اھ

وقال فی عمدة القاری وروی ابن ابی شیبة بسند جید عن ابی
هریرة یرفعه یوم عاشوراء تصومه الانبیاء علیهم الصلوة
والسلام فصوموه انتم اھ ـ و در بیان حدیث ابن عباس که گذشت

وحدیث ام المؤمنین عائشہؓ قالت کان یصوم عاشوراء وتصومہ قریش فی جاہلیہا وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم فی الجاہلیۃ فلما قدم المدینۃ صامہ وامر بصیامہ ہیچگونہ منافات نیست۔

قال فی فتح الباری لیس فی الخبر انہ ابتدأ الامر بصیامہ بل فی حدیث عائشۃ التصریح بانہ کان یصومہ قبل ذلک فغایۃ ما فی القصۃ انہ لم یحدث لہ بقول الیہود تجدید حکم وانما ھی صفۃ حال و جواب سوال ولم تختلف الروایات عن ابن عباسؓ فی ذلک ولا مخالفۃ بینہ وبین حدیث عائشۃؓ ان اھل الجاھلیۃ کانوا یصومونہ کما تقدم اذ لا مانع من التوارد و للفریقین علی صیامہ مع اختلاف السبب فی ذلک اھ۔

واستناد بنقل تورات کہ نجات موسیٰ علیہ السلام ۱۰ر رمضان مطابق ۱۲ر نیسان بودہ نہ در روز عاشورا کہ دہم تشرین باشد و آں را صوم کبور نیز خوانند ونہ در عاشر محرم الحرام قابل اعتماد نیست ۔ چہ از سیاق ظاہر است کہ الحاق اخبار است درینصورت حجت نیست و دول اثبات صحت وے قطع نفاذ است۔

---

# ”فی طاعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل“

---

## عالم بقاء یادِ الٰہی پر منحصر ہے

---

حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہٗ کا وعظ سادہ ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے ۔ پوری طرح ذہن نشین ہوجائیں، ارشاد فرماتے تھے۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا۔ غالباً ۱۳۴۳ھ ہجری تھا۔ تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آگیا۔

حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا تقوم الساعۃ حتیٰ لا یقال فی الارض اللہ اللہ" قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک متنفس بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ کیوں کہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں۔ اسے گرا دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ مقصود اصلی ذکر الٰہی ہے۔ اور یہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکر کے لئے موت نہیں۔ اور غافل کے لئے حیات نہیں کیونکہ اصلی زندگی یاد الٰہی ہے۔ اعمال صالحہ در اصل زندگی کے کام ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے :-

"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (ترجمہ) انبیا علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں۔ ان کی قبور والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے صحیح فرمایا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ ؎

از یکے گو وز ہمہ یک سوئے باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

سب سے یکسو ہو کر فقط اس ایک کا ہو جا۔ تیری ظاہری و باطنی توجہ اس ایک ہی کی طرف رہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید

وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

حضرات! اللہ تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو۔ ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں۔ اور سارے دیوان میں یہی ایک شعر ہے۔ جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بہ بند سود باش

اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کرے۔ موت کو یاد رکھنا چاہیئے۔ وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا۔ بلکہ تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔

رنگا لے چنریا گندا ہے ری سیس

تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن

نہ جانے بلا لے پیا کس گھڑی

گھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

معلوم نہیں کہ ادھر سے بلاوا کس وقت آ جائے۔ کف افسوس ملتی رہ جائے گی۔ (یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی۔ کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی۔ اور سامعین وقف گریہ و بکا ہو جاتے تھے)

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ اخلاص سے سبحان اللہ کہتا ہے۔ تو آدھا پلہ آخرت کی ترازو کی بھر جاتا ہے۔ آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے۔ اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے صدق قلب تو نصف پلہ باقی بھی بھر جاتا ہے۔ "سبحان اللہ نصف المیزان والحمد للہ تملأ المیزان"۔ اور جب یہ کہتا ہے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" تو اس کی سمائی زمین و آسمان میں نہیں ہوتی۔ پھر کر عرش کو نکل جاتا ہے۔ اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔ جنت کے خزانوں

میں سے ایک مخفی خزانہ ہے۔ اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ط

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں۔ آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں۔ آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں۔ رحمٰن کو بہت محبوب ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ط خیال فرمائیں۔ جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملیگا

پہلے جو حدیث ۔" لا تقوم الساعۃ حتیٰ لا یقال فی الارض اللہ اللہ "

ذکر کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجرد اللہ اللہ بھی ذکر ہے۔

یوں بھی روایت ہے:۔ سبحان اللہ والحمد للہ تملأن المیزان یعنی سبحان اللہ و الحمد للہ دونوں کر ترازو کا پلڑا بھر دیتے ہیں۔

---

# ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق !

---

غالباً ۱۹۵۹ء ماہ نومبر میں لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا علی میاں صاحب ندوی لکھنوی بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ۔ میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت سنی ہیں "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیما ط

اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی۔ اب میں ایک اور تقریر سناتا ہوں۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ٭ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

"واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ااقررتم واخذتم علیٰ ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین ط"

نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریّت میں رکھدیا۔ اور حضرت نوحؑ آدم ثانی ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت میں منحصر کردیا۔ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب الآیۃ پھر اس کی دو شاخیں کردیں۔ ایک بنی اسرائیل۔ چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسےٰ علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسمٰعیل۔ ان میں خاتم النبیین علی الاطلاق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے۔ اور سلسلہ نبوّت آپؐ پر اختتام فرمادیا۔ اور بنی آدم کی سیادت آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردی۔

" انا یوم القیامۃ سید ولد آدم ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر۔ وقد اخذ اللہ میثاق النبییّن ان منھم بنصرتہ ان ادرکوا زمانہ وقد ادرکوہ فی المسجد الاقصیٰ وید رکونہ یوم العرض الاکبر "

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اور سب نے آپؐ کا مسجد اقصیٰ میں زمانہ پالیا۔ اور آئندہ بھی پالیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی جیساکہ امام اکبر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال شئی کے رتبے میں ظاہر ہوئے۔ اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ " بدای بی الخلق وکنت اخرھم

فی البعث" میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی۔ اور ابتداءً مجھ سے ظاہر ہوئی۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کنت اول النبیین فی الخلق واٰخرھم فی البعث (کما فی الروح المعانی جلد ۲) میں خلق میں سب سے اوّل ہوں اور بعث میں سب سے آخر۔ یہ حدیثیں درمنثور کنزالعمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ سے نحو ثابت ہے۔ اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے دوسری روایت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ اور یہ بھی کہ حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی۔ ان لا نبی بعدی۔

کو تفسیر درمنثور مسند احمد۔ ابن جریر اور حاکم اور بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ اور ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ ا۔

اناعند اللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین وآدم لمنجدل فی طینتہٖ۔ الحدیث

اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب" (الاٰیۃ) واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور" واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلاً" (الاٰیۃ) واذ اخذنا من النبیّٖن میثاقھم ومنک ومن نوح و ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ابن مریم اخذنا منھم میثاقاً غلیظا" (الاٰیۃ)

حاصل یہ کہ اخذ میثاق نبیین سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیا گیا۔

میری ایک نظم نعتیہ ہے۔ اس میں ایک شعر ہے۔ ؎

آیت میثاق در وصفِ تم ہست
ایں ہمہ از مقتضائے ختم است

آیت میثاق میں جو ثم آیا ہے۔ یعنی ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم الخ
یہ سب کچھ بہ مقتضائے ختم نبوت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف رکھا
گیا* معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس امت کے نبی ہیں۔ نبی الانبیاء بھی آپ
ہی ہیں۔ ثم جاءکم اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد
آئے گا۔ سورت صافات میں ہے "جاء بالحق وصدق المرسلین" وہ
رسول حق لے کر آگیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر دی۔ اگر غور سے دیکھو گے
تو اس آیت میں " واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" میں لام استغراق کے لیے ہے
اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہو گا۔ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں
آتا ہے۔ حکماً عدلاً وہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ کا نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہو گا۔
پیغمبر تو آپ ہوں گے لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام
حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ پیغمبر تو تھے لیکن بحیثیت پیغمبر
کے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ شریعت یوسفی پر عامل تھے۔ جیسا کہ " لو کان موسیٰ حیاً
لما وسعہ الا اتباعی" میں آیا ہے۔

الحاصل یہ ٹھہر گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میثاق لیا گیا۔ قرآن عزیز میں ہے
"لما جاءھم من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین
اوتوا الکتب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون"
(ہدایۃ الحیاری) میں ہے۔" لو لم یظھر محمد بن عبد اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لبطلت نبوۃ سائر الانبیاء"
(اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبد اللہ کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو
جاتی۔ سو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت
کی تصدیق فعلی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " بل جاء بالحق وصدق المرسلین"
یہ تفسیر حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے
ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ

* اور تمام انبیاء کو ایک طرف رکھا گیا

اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائے گی۔ عدد انبیاء کا ختم ہوگیا ہے۔ اور حسب حاجت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا۔ تاکہ دلیل ہوجائے کہ حضورؐ ہی خاتم النبیین ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ تشریف لاکر بھی حضور کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔ تاکہ سب پر ثابت ہوجائے کہ حضورؐ ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں۔ تورات میں ہے۔ "نابی میأ بخ مقربخ یاخیم لخ الاوخ الا دتشماعون"۔ یعنی

نبیّ من قربك من اخيك كاخيك يقيم لك الهلك اليه تسمعون۔

میں تیرے قریبی بھائی بندوں میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا۔ تم اسی کی سنیو۔ بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسمٰعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق مبعوث ہوئے۔ ان ہی کے اتباع کا حکم فرمایا جارہا ہے۔ وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے۔ اور اولاد بھی ہوگی۔ اور حج وعمرہ بھی کریں گے۔ اور چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے۔ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائےگی پھر روضۂ پاک میں دفن ہوں گے۔ جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ آپ ایک وادی سے گذرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ "ای واد ھذا"۔ معلوم ہوا کہ "وادی ازرق ہے"۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کانی انظر الی موسیٰ"۔ کہ موسیٰؑ علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں۔ اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تلبیہ کہتے جارہے ہیں۔

پھر یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ " وادی ہرشٰی سے گذر رہے ہیں۔ یہ مسلم شریف میں بھی ہے۔ شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا۔ مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج اور عمرہ کریں گے اور فج روحا سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقی نے حیات انبیاءؑ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ مسلم شریف میں

ہے۔ "مررت بموسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔"

اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے "انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں۔ دین ان کا واحد ہے۔"

" انا اولی الناس بعیسی بن مریم لانہ لیس بینی وبینہ نبی وانہ خلیفتی علی امتی وانہ نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ۔" (الحدیث)

اور مستدرک حاکم میں ہے "ویاتین علی قبری حتی یسلم علیّ ولا ولاردن علیہ

اور فتح الباری میں بھی ہے اور ایک ٹکڑا مسلم شریف میں بھی ہے۔ اللہ واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا تمام دائرہ از اول تا آخر طے فرمایا ہے لہذا اول اور آخر میں ظہور فرمایا۔ اور تمام دورۂ نبوت پر حاوی ہو گئے۔ اس تقدیر پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگرچہ آنحضورؐ سے استفادہ کے طور پر ہی ہو اس میں صریح منقصت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

بس اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس نے فرمایا۔ اس کو قلم بند کرو۔ اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ بھی میرے پاس بیٹھے تھے۔ اور بڑے غور سے سُن رہے تھے۔ بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کرو۔ ورنہ میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا۔ علی میاں بھی فرماتے تھے کہ بہاول پور کے حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بیان کو بھی ضرور قلمبند کر دینا چاہیئے۔

---

# رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کر لیں گی۔ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ (انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرا دیا جائے گا)

(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں۔ ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے۔ مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہو گا۔ وہ بہت حیرت انگیز ہو گا۔ کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے طے کر لیں گے۔ جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

گارڈن کوپر کا زمین کے اردگرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جسے آئن سٹائن نے اپنے نظریئے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا یہ خلائی سفر گارڈن کوپر نے ۹۰ منٹ میں طے کر لیا۔ اور گارڈن کوپر کی عمر اس خلائی سفر میں کم ہو گئی۔ اب تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے۔

وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون" کی تفسیر تجربے میں آ گئی۔

ایک فلاسفر نے لکھا ہے۔ کہ خلائی کشتی کے ذریعے ایک سے دوسرے

کہکشاں تک آناجانا ممکن الوقوع ہے۔ اور وہاں کے حساب سے پچیس سال اور زمین کے حساب سے تین لاکھ سال گذر چکے ہوں گے۔"

یہ اس نے بڑے تھکا نے والے تجربہ کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ کئی بار فرمایا تھا "لیس عند ربك صباح و لا مساء"

هنا موطن فوق الزمان ثباته    فحالاته ليست به تتغير تتمرى

وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانے اور تغیر و تبدل کا گذر نہیں ہے

علامہ ابن قیمؒ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔ ؎

قال ابن مسعودؓ كلاما قد حكاه الدارمي عنه بلا نكران

ما عنده ليل ولا نهار قلت تحت الفلك يوجد ذان

؎ نور السموات العلى من نوره
والارض كيف النجم والقمران
من نور وجه الرب جل جلاله
كذا حكاه الحافظ الطبراني

یہی مراد ہے اس حدیث کی

" ان الله لا ينام ولا ينبغي له ان ينام يخفض القسط و يرفعه و يرفع اليه عمل الليل قبل عمل النهار و عمل النهار قبل الليل حجابه النور فهذه حضرة فوق الليل و النهار" کما فی روح المعانی۔ روح المعانی میں واشرقت الارض بنور ربها دیکھنا چاہیے

" وان جهنم لمحيطة بالكفرين" میرے نزدیک یہ محقق ہو گیا کہ معانی آخرت میں متجسد ہو جائیں گے۔ شیخ اکبر کی بھی یہی تحقیق ہے۔ چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے اور دوانی نے اپنے رسالہ "الزوراء" میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی ہے۔ یعنی اب بھی جہنم محیط ہے۔ لیکن آنکھوں سے مستور ہے۔ اور شرح میں یہ سب

کچھ منکشف ہو جائے گا۔ فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔

# بندوق کا شکار

درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا۔ حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے۔ زخم نہیں کرتی۔ تو یہ وقیذ کے مشابہ ہوا۔ گو مالکیہ کے ہاں جائز ہے۔ بہرحال اگر بندوق کا شکار زندہ مل جائے تو ذبح کرنا چاہیئے اگر مر جائے تو کھانا ناجائز ہے۔

# علم الفرائض پر ایک طویل نظم

فروض میں حضرت شاہ صاحب رح کشمیری کی ایک نظم ہے۔ ۹۲، اشعار ہیں۔ ابتدائی شعر اس طرح ہیں۔

| | |
|---|---|
| بعد حمد خدا و نعت رسول | بشنو از انور ظلوم و جہول |
| مال نبود چو مستحق العین | بعد تجہیز و دفن و دادن دین |
| ہم پس از عزل ثلث موصیٰ بہ | ذی فروض مقدرہ را دہ |
| عصبہ بعد ازاں برد ہمہ مال | بعد آزاں رد بذی فروض سگال |
| بعد ازیں دو فریق اے منعام | وارث مال داں ذوی الارحام |

## موانع ارث

| | |
|---|---|
| مانع ارث آمدہ اند چہار | رق و قتل اختلاف دین و دار |
| لیک قتلے کہ بالسبب باشد | مانع ارث کس نمے باشد |

یہ بھی پہلے درس بخاری شریف ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ میں سنایا تھا۔ پھر تو مراد آباد میں مدرسہ فخریہ میں جب مولانا فخر الدین صاحب مدرس تھے۔ کچھ اضافات کے ساتھ طبع کرا دیا تھا۔ اور "النور الفائض علی نظم علم الفرائض" عنوان رکھا۔

## نماز کے لئے رغبت

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ فرماتے تھے۔ کہ مولانا سید انور شاہ صاحبؒ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے۔ اور حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا۔ "حضرت میرے لئے دعا فرمائیں۔ کہ مجھے نماز پڑھنی آ جائے"۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا۔ "اور رہ ہی کیا گیا"۔ سبحان اللہ نماز ہی کی فکر رہی۔

## اختلاف میں اتحاد

ارشاد ہوا۔ دو شریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گذار سکتے ہیں۔

## حضرت شاہ صاحب کا تبحر علمی

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ نے القاسم شوال ۱۳۳۰ھ ص ۱۶ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ شوال ۱۳۳۰ھ سے ایک وظیفہ رفیق دار العلوم دیوبند پچاس ۵۰ روپے ماہوار کا مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو دیا جائے گا جنہیں عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں سب سے پہلے دستار فضیلت ملی۔ اور علوم شریعت میں تبحر اور زہد و تقویٰ میں سلف صالح کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں"۔

عبید اللہ ناظم الانصار دار العلوم دیوبند

نقش حیات میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ قدس سرہٗ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔ رسالہ القاسم الرشید کی پرانی فائلیں دیکھنے سے بہت کچھ مواد مل

سکتا ہے۔
فرمایا: "قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض"۔
ابوعبداللہ رازی کہتے ہیں جو مذاہب کہ مفضی الی الشرک ہیں۔ وہ چار ہیں۔
(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور زمینیات کو ان کے حکم میں کر دیا۔ اور ہم زمینیات میں سے ہیں۔ اس لئے ہم کواکب اور ملائکہ کو پوجتے ہیں۔ جو کہ آسمانی ہیں۔ اور وہ ہمارے الٰہ ہیں۔ اور اللہ ان کا معبود ہے۔ لہٰذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کر دیا۔
"لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموات" کما اعترفتم "ولا فی الارض" کما زعمتم۔
(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مستقل اور زمینوں اور زمینیات کا خالق ہے بواسطہ کواکب۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے۔ اور جو ترکیبات ان میں ہیں اتصال اور حرکات اور طوالع۔ اس لئے انھوں نے شریک قرار دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں۔ اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رد فرما دیا۔ "ما لہم فیہما من شرک ای الارض کالسماء للہ لا لغیرہ فیہما من نصیب"۔
(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سپرد کر دیا ستاروں کے اور حوادثات کا انتساب اذن دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے۔ نہ کہ ماذون کی طرف اور فقط آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالیٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے باطل قرار دیا۔ اس کلام سے "وما لہ منہم من ظہیر"
(۴) بعض کہتے ہیں ہم اصنام کو پوجتے ہیں۔ جو ملائکہ کی تصویریں ہیں۔ تاکہ ہماری شفاعت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا۔ "لا تنفع الشفاعۃ" جملہ الشفاعۃ

ہیں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے۔ اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

فرمایا " ان اللہ لا یغفر ان یشرك به و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء "

جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں بار بار ذکر فرمائی گئی ہے (چنانچہ آل عمران میں ہے

" ان الذین کفروا و ماتوا و ھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھباً ولو افتدیٰ به اولئك لھم عذاب الیم وما لھم من نٰصرین " (الآیہ)

اور اس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے۔ نیز سورہ نساء میں فرمایا گیا ہے۔

ولا الذین یموتون وھم کفار اولئك اعتدنا لھم عذاباً الیما وغیرھا من الآیات) لہٰذا اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا، کیوں کہ دو چیزیں ہیں اگرچہ شرعاً حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں تغایر نہیں ہے کیوں کہ شرک اقرار الوہیتہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے اور کفر کبھی تو جحود باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا۔ اس لئے یہاں یہ عنوان شرک کا رکھا۔ اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی اہم ہے۔

فرمایا اشراک باللہ کی کئی اقسام ہیں۔ " اشراک فی العبادۃ " " اشراک فی الصفات " ۔ " اشراک فی الطاعۃ "

" اشراک فی العبادۃ " ۔ کہ عبادت غیر اللہ کی کرے۔ لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے۔ جیسے مشرکین عرب کہتے تھے " ما نعبدھم الا لیقربونا

الی اللہ زلفا“

اشراک فی الطاعۃ :- یہ ہے کہ تحلیل الحرام اور تحریم حلال میں غیر اللہ کا کہنا مان لے جیساکہ حضرت عبد القادر دہلوی نے متنبہ کیا ہے۔ جیساکہ نصاریٰ ” اربابًا من دون اللہ “ مانتے تھے۔ یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے۔ حضرت شاہ عبد القادر نے اس کو اشراک فی الطاعۃ فرمایا ہے۔

## وحدت دعوت انبیاءؑ

فرمایا ابن رشد نے ” تہافۃ الفلاسفہ “ میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت توراۃ سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو نجات ہے۔ اور ادیان سماویہ کی اور شرائع انبیاء کی اساس ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ کیوں کہ شرائع اگرچہ بدلتی رہی ہیں۔ لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔

تفاسیر میں ہے کہ حرمت خنزیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔ ہاں ان نقول کے انتقاد کی ضرورت ہے۔ تو قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

## تعلیم مفرط پر نکیر

جس روز بہاول پور تشریف فرما ہوئے۔ ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد صاحب سے فرمانے لگے۔ یہ اتنا مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہیئے۔ ہم تو عام آدمی ہیں۔ نیز بیٹھئے میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں۔ پھر اس پر وعظ فرمایا

قرآن و حدیث پیش فرماتے گئے۔ پھر مولانا فاروق احمد صاحب احقر سے فرمانے لگے کہ مولانا غلام محمد صاحب دین پوری حضرت شاہ صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ مکان پر تشریف فرما ہیں۔ تو عرض کر دے کہ وعظ بند کر دیں۔ میں نے کہا کہ میں تو جرأت نہیں کر سکتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے کان میں بات کر رہے تھے۔ حضرت نے فوراً وعظ بند کر دیا۔ اور دعا فرما کر باہر تشریف لے آئے۔ راستے میں عرض کیا کہ مولانا دین پوری تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مکان پر پہنچکر ملاقات فرمائی۔ اور معانقہ کیا حضرت دین پوری پر رقت نے زور کیا۔ بہت روئے۔ پھر پلنگ پر سرہانے کی طرف حضرت دین پوری کو بٹھانے لگے۔ حضرت نے اصرار کیا۔ کہ آپ ہی ادھر بیٹھیں۔

حضرت شاہ صاحب نے تکیہ حضرت دین پوری کی طرف رکھدیا۔ کہ آپ تکیہ لگا کر بیٹھیں۔ خود بھی بیٹھ گئے۔ پھر خدام حضرت دین پوری حضرت شاہ صاحب سے ملنے لگے۔ پہلے پاؤں کو ہاتھ لگاتے پھر گھٹنوں کو۔ پھر مصافحہ کرتے۔ ایک کو فرمایا۔ ارے بھائی! فقط مصافحہ سنت ہے۔ اور دوسرے سے بھی یہی فرمایا۔ تیسرا آیا اس نے جب گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو اس کے دونوں بازو تھام لئے۔ اور فرمایا۔ کیا پیغمبر کی سنت سے عداوت ہی ہے؟ پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ۔ میں اس مسئلہ کو کشف کرنا چاہتا ہوں۔

پھر شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا۔ کہ نماز میں جو ارکان شریعت نے رکھے ہیں ان میں قیام تو مشترک ہے۔ ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں۔ تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور سجدہ تحیہ اور تعظیمی یہ حرام ہے۔ فقط مصافحہ سنت ہے۔

ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدہ تحیہ کا جواز لکھکر میرے پاس ڈاہبیل بھیجا میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں۔ اٹھا کر ایک دو جگہ سے دیکھا۔ انہوں نے لکھا کہ سجدہ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں۔ حالانکہ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی

نے فرمایا ہے۔ کہ پہلے وقت سجدہ تعظیم تھی ابلیس کی۔ فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ رواج موقوف کیا۔

" و ان المساجد للہ " اس وقت پہلے رواج پہ چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے۔ کہ آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے۔ (سورہ یوسف کی تفسیر میں " خرّوا لہ سجدًا " کے تحت شاہ صاحبؒ نے یہ ذکر فرمایا ہے) اور سورۃ جنّ میں " و ان المساجد للہ " کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ کہ :۔

" سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے "

غرض سجدہ تحیہ کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ مثلاً اپنے استاد کو یا کوئی اور واجب الاحترام آدمی ہو۔ (درّ مختار)

مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ نے بوقت رخصت جب حضرت شاہ صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا تو فرمایا کہ لوگ حاجی بنائیں گے۔

## ۱۔ لفظ قدر کی تحقیق

فرمایا " فظنّ ان لن نقدر علیہ " پس گمان کیا ہم اس پہ تنگی نہیں پکڑیں گے۔

ف :۔ " کما فی فقدر علیہ رزقہ " پس اس پہ رزق تنگ کر دیا۔ " کما بیّنہ الطحاوی فی مشکلہ "

## ۲۔ رویت انبیاء مشاہدہ ہے

" والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن " شجر ملعونہ کے ذکر کو معراج سے اس لئے ملا دیا کہ یہ بھی کفار کا ایک طعنہ تھا۔ جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے راتوں رات بیت المقدس تک ہو آئے۔ اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ درخت آگ میں کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آگ کا کام تو جلانا ہے

خدا کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

۳- فرمایا کہ عالم غیب کی چیزیں حالت یقظہ میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے۔ میں نے تورات میں اکثر دیکھا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہوئے۔ یہاں لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے۔ تورات ہی میں ہے۔ کہ حضرت حزقیل علیہ السلام ایک ندی کے پاس سے گذرے تو انہوں نے ایک رؤیا دیکھا۔ حالانکہ یہ عالم بیداری میں رؤیا تھا۔ فوراً مجھے تنبہ ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء علیہم السلام کے عالم یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیا کے ہاں۔ لغت میں تو کشف کے معنی وضوح کے ہیں۔ کبھی باصرہ کے ساتھ عالم یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا ہے۔

۴- فرمایا کہ قادیانی نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو شب معراج میں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکا ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ میں واقعہ ملاقات ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰؑ مذکور ہے۔ اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ) صہ ۳۰۹ باب فتنہ الدجال وخروج عیسیٰ علیہ السلام)

عبد اللہ بن مسعودؓ راوی ہیں۔ "لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ فتذاکروا الساعۃ فبدؤا بابراھیم فسألوہ عنھا فلم یکن عندہ منھا علم ثم سالوا موسیٰ فلم یکن عندہ منھا علم فردا الحدیث الی ابن مریم فقال قد عھد الی دون وجبتھا اما وجبتھا فلا یعلمھا الا اللہ فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتلہ (الحدیث)

# ۵۔ ایامِ قیام قبا کی تحقیق

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چودہ روز قیام پذیر رہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶۔ جلد اول میں تصریح ہے۔ اور جو سیر محمد بن اسحٰق میں ہے کہ قباء کا قیام چار دن رہا پس وہ سہو ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں داخل ہوئے منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کر لیا گیا۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیوں کہ منگل منگل آٹھ روز۔ بدھ جمعرات جمعہ تین دن ملکر گیارہ دن ہو گئے۔ تو بخاری شریف میں مذکور چودہ دن تو پورے نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کا تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا۔ بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آجانا مقصود تھا۔ پھر ہفتہ۔ اتوار۔ پیر قبا میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے یہ پندرہ یا چودہ روز ہو گئے۔

# ۶۔ فضیلت حضرت ابو بکر قطعی ہے!

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت امام اشعریؒ کے نزدیک قطعی ہے۔ اور امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے۔ کیوں کہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں۔ جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے۔ بلکہ تواتر سے بھی فوق ایسا ہی افضلیت شیخین بھی ثابت ہے۔ پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے۔ پس جو اقرب ہے۔ نسباً وہ آخر ہے۔ افضلیت میں اس طرح کہ علیؓ۔ عثمانؓ۔ عمرؓ۔ ابوبکرؓ۔ نیز افضلیت میں صدیق اکبرؓ اقدم ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر عثمان۔ پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

# ۷۔ امتناع قرأۃ خلف الامام

بخاری جلد اول صفحہ ۲۳۳ میں ہے کہ فاروق اعظمؓ پہلی رکعت فجر کی نماز میں سورۃ

یوسف یا نحل پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ پھر رکوع کرتے معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ پس مُدرک رکوع مُدرک رکعت ہوا۔ پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ "حتی یجتمع الناس"

## ۸۔ توسل فعلی و قولی!

بخاری میں قول عمرؓ آیا ہے "اللھم انا نتوسل الیک بعمّ نبینا فاسقنا" یہ توسل فعلی ہے۔ رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے۔ اعمیٰ کی حدیث میں ہے " اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ الیٰ قولہ فشفعہُ فی۔"

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے۔ اور تصحیح فرمائی ہے۔ مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تصویب کی ہے۔

## فقہاء سبعہ مدینہ

فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں:۔

الا کل من لا یقتدی بائمۃ!

فقسمتہ ضیزی عن الحق خارجہ

فخذھم عبید اللہ عروۃ قاسم

سعید ابوبکر سلیمان وخارجہ

(پس وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود۔ عروہ بن قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ سعید بن المسیبؒ ابوبکر بن عبد الرحمٰنؒ سلیمان بن یسار مدنی مولا میمونہؓ خارجہ بن زید بن ثابت الانصاری) اگر کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھکر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

# لفظ دون کی ادبی تحقیق

فرمایا "واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال" اس میں دون الجھر معطوف واقع ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے۔ اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم۔ فقہا کا جہر مراد نہیں بلکہ "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول" کے قبیل سے ہے۔ مثلاً "ولا تجھروا لہ بالقول" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو۔ جیسے اعراب بولتے تھے۔ جیسے "ویغفر مادون ذلک" یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

"ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر" یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

"ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما" یعنی پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت ہوا کہ فقہا کے جہر کو کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد صفحہ ۲۶۳ میں ہے "فان افتانا بفتیاً دون الرجم قبلناھا" پس اگر انہوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کریں گے۔ (اسد الغابہ صفحہ ۱۶۸) وغیرہ۔ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے، مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔ فرمایا "انہ من الاواھین" اور خود حضرت عمرو بن عبسہؓ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے۔ کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے۔ کتب سیرت میں مصرح ہے۔

(صہ ۱۶۱ اسد الغابہ) (محمد عفاء اللہ عنہ)

فرمایا بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔

مختصر المعانی میں ہے صہ ۱۸۵

"ومعنیٰ دون فی الاصل ادنیٰ من الشئی یقال دون ذاك اذا كان احط منه قليلاً (ترجمہ) "دون اصل میں کسی شئی کا کم درجہ کا ہونا" هذا دون ذاك" وہاں بولتے ہیں جب وہ شئی دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو"

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الٰہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی۔ دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا۔ جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

# اعجاز قرآنی

ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید وحکیم کا اعجاز مفردات اور ترکیب وترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجوہ سے ہے۔ مفردات میں کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے " ادنی بالحقیقۃ و ادنی بالمقام" سارے انس وجن بھی نہیں لا سکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لئے "توفی" کا لفظ درست نہ تھا۔ کیونکہ ان کے عقیدے میں نہ بقا جسد تھی نہ بقاء روح۔

"توفی" وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہوسکتی قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا۔ اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے۔ نہ فنا محض اس حقیقت کو کلمہ توفی سے کشف کر دیا۔ اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

"وجعلوا اللہ شرکاء الجن" ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی" وجعلوا الجن شرکاء اللہ" لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے۔ کوئی معمولی جرم نہیں کیا۔ خدا کو جن کا شریک قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی عظمت

اور کبریائی کو حق کا ہم رتبہ قرار دے دیا پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

## مقصد قرآنی کی تشریح

مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا لینا ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے اسماء حسنیٰ کے شروح میں لکھا ہے۔ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے بلداً اور معاش اور معاد اور فلاح و نجاح دنیا و آخرت وابستہ ہو۔

## قرآنی حقائق

اس سے میری مراد امور غامضہ ہیں۔ جن سے عقول و افکار قاصر رہے اور تجاذب و تجانب اور نزاع عقلاء باقی رہا۔ جیسا کہ "مسئلہ خلق افعال عباد" کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے۔ اور کیسے ہے۔ اور اس فعل کا ربط قدرت ازلیہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید ایسے مقام میں وہ تعبیر اختیار فرمائے گا جس سے " اوفی بالحقیقۃ " تعبیر بشری طاقت سے باہر ہے۔

## کچھ ابتدائی دور سے متعلق

ریل گاڑی میں بہاول پور سے براستہ راجپورہ واپسی دیوبند کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے لیتے ہیں۔ اور حاکم دارقطنی سے لیتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ سنن کبریٰ بیہقی پر علامہ ماردینی بیہقی کے لفظی اغلاط پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا " ان کی نظر جوتی نہیں۔

فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الزمن مولینا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کر لیا تھا۔ اور فتح الباری کا مطالعہ درس بخاری کے سال میں کیا تھا۔ مولانا مشیت اللہ

صاحب بجنوری فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیز ہوتی تھی۔ کہ دو دو سو ورق مطالعہ کر لیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحق کشمیریؒ سے میں نے صحیح مسلم۔ سنن۔ نسائی۔ ابن ماجہ پڑھی ہیں۔ وہ تلمیذ مولانا خیرالدین آلوسیؒ کے ہیں۔ وہ اپنے والد سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے ہیں۔ "الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح اور بلوغ الارب وجلاء العینین فی محاکمۃ بین الاحمدین" اور بھی بڑی نفیس کتب کے مؤلف ہیں۔ الجواب الفسیح تو احقر کے پاس بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے ایک دفعہ امرتسر اور لاہور کے درمیان عرض کیا کہ علامہ خیرالدین آلوسی کی ایک کتاب رد عیسائیت میں ہے۔

لاہور شاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خرید کی تھی۔ فوراً فرمایا۔ "الجواب الفسیح ہے؟ میں حیران رہ گیا۔ مولانا محمد اسحق صاحب کشمیری کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوا۔ فرماتے تھے ایک میرے استاد تھے۔ اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا۔ لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا۔ اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ و شنگ ہو۔ میں تو حضرت شیخ الہند کے سامنے کبھی بولتا نہ تھا۔ چپ سنتا رہتا تھا۔

فرمایا حضرت شیخ الہندؒ سے ہدایہ کے آخری دو جزء بھی میں نے پڑھے ہیں۔

فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسیؒ بھی ہیں۔ ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ طحطاوی سے ملتا ہے۔ رسالہ حمیدیہ ان ہی کی تصنیف ہے۔ ان کا زہد و اتقاء بڑا کامل تھا۔ فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی پڑھا ہے۔ جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہ حاضر ہوا تھا۔ یہ مدرسہ امینیہ کی واپسی پر ہوا تھا۔

## مولانا نیمویؒ

ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو جامع الآثار مؤلفہ مولانا نیمویؒ حضرت گنگوہیؒ کے

ہاں آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے۔ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا۔ کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں۔ میں نے جامع الآثار کی بہت تحسین بھی مولانا نیموی کو لکھا مولانا نیموی کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

## تقویٰ کے معانی

ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے۔" والزمهم كلمة التقوىٰ" توبہ پر بھی اطلاق ہوا ہے۔" ولو ان اهل القرىٰ امنوا واتقوا " طاعت کے معنی پر بھی بولا گیا ہے۔

" ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون " ترک گناہ پر بولا گیا ہے " واتوا البيوت من ابوابها واتقوا الله " کبھی اخلاص کے معنی بھی دیتا ہے۔ " فانها من تقوى القلوب " حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اس پر خوب لکھا ہے۔

## حضرت مرحوم کے تعلقات دوسرے بزرگوں سے

۱۹۳۴ء کی بات ہے۔ حضرت اقدس کندیاں والے اپنے خلیفہ مولانا محمد عبد اللہ صاحبؒ کے گاؤں سلیم پور تشریف لائے تھے۔ احقر کو حضرت مولانا عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ تو بھی آنا کہ حضرت کی زیارت کرے تو احقر اور دو ساتھی جو ہمارے مدرسہ ر ائیکوٹ ضلع لدھیانہ میں مدرس تھے۔ تینوں مولانا عبد اللہ صاحب کے گاؤں میں گئے۔ بعد مغرب پہنچے حاضری ہوئی۔ حضرت اقدس قدس سرہٗ کی خدمت میں مولانا عبد اللہ صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کا خادم اور میرا استاد ہے۔ حضرت اقدس کندیاں والے اٹھ کر معانقہ کر کے ملے۔ بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔ معاً فرمایا حضرت شاہ صاحب بڑے کاملین میں سے تھے۔ اب علماء کی پیاس کون بجھائے گا؟ طلبہ کو تو حدیث

پڑھانے والے مل ہی جائیں گے ۔ لیکن علماء کی مشکلات کو کون حل کرے گا ۔

فرمایا جب میرا لڑکا دیوبند پڑھتا تھا ۔ تو میں بھی دیوبند حاضر ہوا تھا ۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب ہی حدیث کے مدرس تھے ۔ لڑکے نے اپنے کمرہ میں حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ کی دعوت کی ۔ دونوں حضرات تشریف لائے ۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ سے چونکہ پہلے سے بے تکلفی تھی لیکن حضرت شاہ صاحبؒ سے مجھے حجاب رہا پھر جب مولانا حسین علی صاحب نے میانوالی میں دعوت مباحثہ دی اور حضرت میانوالی تشریف لے گئے تو میں بھی وہاں موجود تھا ۔ میں نے اپنے یہاں تشریف لے چلنے کو عرض کیا تو خوشی منظور فرمالیا ۔

پھر ہمارے ہاں تشریف لائے تو میں نے کتب خانہ کی زیارت کرائی ۔ جس سے حضرت کا دل باغ باغ ہو گیا ۔ پھر میں نے لوگوں کو باہر نکال دیا ۔ اور حضرت شاہ صاحب نے خوب کتب خانہ کی سیر کی ۔ تیسیر الاصول حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجھ سے دو ماہ کے لئے مستعار دیوبند لے گئے ۔ اور پھر دو ماہ کے بعد واپس فرمائی ۔ اور مجھے خط میں تحریر فرمایا کہ جتنا عرصہ آپ کے ہاں قیام کیا میں اسے مغتنمات زندگی میں سے سمجھتا ہوں ۔ وہ خط میں نے محفوظ کر کے رکھ چھوڑا ہے ۔ افسوس کہ قیام خانقاہ سراجیہ (کندیاں) میں صرف ایک دن رہا حضرت شاہ صاحب کے پاس وقت کم تھا ۔ اگلے روز حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف کا ذکر فرماتے رہے ۔ فرمایا میں نے حضرت کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا ہے ۔ پھر احقر نے عرض کیا کہ "ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم" اور "مرقاۃ الطارم" بھی حضرت کے پاس ہیں ۔

فرمایا وہ تو ہم نے تبرکاً رکھ چھوڑی ہیں ۔ اس میں دقیق ابحاث ہیں ۔

پھر احقر رخصت لے کر چلا آیا ۔ پھر مولانا عبداللہ صاحب تو بار بار ملتے رہے ۔ لیکن حضرت کندیاں والوں کی زیارت نہ ہو سکی ۔ پھر سنا کہ کانپور میں حضرت کا وصال ہو گیا ہے ۔ تابوت کندیاں لایا گیا ۔ پھر ایک رسالہ میں حضرت کا وصیت نامہ پڑھا ۔ اور مولانا عبداللہ صاحبؒ کو جانشین اور کتب خانہ کا منتظم بنانا بھی پڑھا

ہاں حضرت کندیاں والوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور لوگوں نے تو استفادہ کیا افسوس کہ میں چونکہ کھانے کے انتظام میں تھا میں استفادہ نہ کرسکا۔

کسی نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ انہوں نے (حضرت اقدس کندیاں والوں نے) ایک رسالہ لکھا ہے خضاب کے متعلق۔ میں جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ آپ نے کوئی رسالہ خضاب کے متعلق لکھا ہے۔ عرض کیا۔ "ہاں! کچھ لکھا تو ہے۔" فرمایا کہ "میں دیکھنا چاہتا ہوں"۔ میں نے نکال کر پیش کیا۔ غور سے دیکھتے رہے۔ پھر کچھ فرمایا نہیں۔

ایک دفعہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں مولانا عبداللہ صاحب تشریف لائے۔ تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ نے فرمایا کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں کتنا عرصہ رہے؟ تو مولٰنا عبداللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ چودہ (۱۴) سال قیام کیا۔

جب احقر ۱۹۲۲ء میں لدھیانہ مدرسہ عزیزیہ میں پڑھاتا تھا تو مولانا عبداللہ صاحب نے احقر سے تہذیب اور شرح تہذیب۔ شرح ملا جامی، کنز الدقائق پڑھی تھیں۔ پھر احقر (لاہور) چلے گئے تھے ۱۹۲۶ء میں حدیث دیوبند حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے پڑھی۔

مولٰنا عبدالغنی صاحب کی خدمت میں اس احقر ہی نے ذکر کیا کہ میں کو مولانا محمد نذیر صاحبؒ عرشی شارح مثنوی نے تحفہ سعدیہ میں درج کیا ہے۔ لیکن افسوس شاید الفاظ مولانا عبدالغنی صاحب کو یاد نہیں رہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کو حضرت مولٰنا عبدالغنی صاحب مالیر کوٹلہ پر بڑی شفقت تھی۔ ایک دفعہ لدھیانہ مدرسہ بستان الاسلام کے جلسہ میں تشریف لائے۔ مولانا بدر عالم میرٹھی بھی ساتھ تھے (مولٰنا بدر عالم صاحب احقر کے دیوبند میں رفیق ہیں۔ مدینہ منورہ بار ہا ملاقات ہوئی ہے)

مولانا عبدالرشید مرحوم سے فرمانے لگے۔" مولانا عبدالرشید صاحب یہ

مولانا عبد الغنی صاحب ہمارے دوست ہیں۔ یہ علمائے آخرت میں سے ہیں۔"

ایک دفعہ مالیر کوٹلہ کے جلسہ میں تشریف لائے۔ احقر نے عرض کیا کہ احقر بفضلہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کا پیرو ہے۔ اور بیعت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر کی ہے۔ اور حدیث اپنے حضرت شاہ صاحب کشمیری سے پڑھی ہے۔ خدا کے کرم سے امید کرتا ہوں کہ بخشا جاؤں گا بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس مجلس میں حضرت شاہ صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا عبد الغنی اگلی صبح کو سویرے ہی بخاری شریف لے کر خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے کہ حضرت مجھے بھی شاگردی میں لے لیں۔ اور بخاری شریف شروع کرا دیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے قبول فرمایا اور ابتدائی حدیث شروع کرا دی۔ اور اجازت بھی دے دی۔

## قرآن کریم میں تنسیخ آیات

فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے۔ کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے۔ ایسا ہی مطلق کی تقیید اور تقیید کا اطلاق اور استثنیٰ اور ترک استثناء بھی نسخ ہے۔ ایسے ہی حکم کا انتہا اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے۔ متاخرین کی سعی اسی میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے۔ حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے۔ اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز الکبیر)

میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی عمل ہی نہ نکل سکے۔ بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مستمر و غیر ضرور رہے گا۔

فرمایا کہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر ہم باری تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو دین سمجھ میں آتا ہے کہ زمانہ امکان۔

اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں ۔ چنانچہ دوا گرم مزاج مزاج بارداور موسم بارد میں مفید ہوتی ہے ۔ اور مزاج گرم اور موسم گرما میں مضر ہوتی ہے ۔ اور چونکہ زمانہ ازل سے ابد تک واقعات جزئیہ پر منقسم و موزع ہے ۔ ظہور و خفا سابق اور لاحق اعدام ایجاد وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے اعتبار سے ہے یعنی بہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے ہے ۔ لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پہ واقع ہے بغیر تغیر و تبدل کے ۔

حاصل یہ ہے کہ علم ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے ۔ لیکن مکلفین اس غایت اور انتہا کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے احوال کے قرائن سے گمان کر لیتے ہیں ۔ کہ یہ حکم دائمی ہے ۔ جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا ۔ اور دوسرا حکم اس کا ناسخ ہے ۔

مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں ۔ یہ تقدم اور تاخر اور یہ تجدید و تغیر ان کے اعتبار سے ہے ۔ لیکن باری تعالیٰ کے اعتبار سے یہ سب کچھ اپنے وقت مقررہ پر ہے کچھ تغیر و تبدل ۔ تقدم و تاخر نہیں ۔ اور یہ معاملہ صرف احکام شرعیہ ہی میں نہیں بلکہ ہر شئے میں جاری و ساری ہے ۔ اور جو کوئی اس نسخہ وجود کا (کہ بے انتہا حوادث متعاقبہ پر مشتمل ہے) بنظر غائر مطالعہ کرے گا سمجھے گا کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھکر جا رہا ہے ۔ اور کلمہ بعد کلمہ اس کی زبان سے گزر رہا ہے ۔ جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور کلمات سامنے آجاتے ہیں ۔ جو منتفی ہو گیا ۔ وہ وجود لفظی سے محو ہو گیا ۔ جو کلمات بعد میں آئیں گے وہ وجود لفظی کی لوح پہ ثابت ہو جاتے ہیں ۔ یہ محو و اثبات ہمیشہ جاری رہتے ہیں ۔ اس کو "کتاب المحو والاثبات" کہتے ہیں ۔ اور اگر اس مجموعہ کو بہیأت اجتماعی (کہ علیم و حکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا ہے) ملاحظہ کرے گا ۔ یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے سے اس کو "ام الکتاب" کہتے ہیں ۔ یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی کھل گئے ۔ "یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب" ۔ بعض محققین اس مجموعہ دفعی کو

"مرتبہ قضا" نام رکھتے ہیں۔ اور ظہور تدریجی کو "مرتبہ قدر" کہتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (لا مشاحۃ فی الاصطلاح)

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس سے بدا لازم آتا ہے۔ اور ہماری تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے۔ اور نسخ اور چیز۔ کیونکہ نسخ تو حسب اوقات مختلفہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے۔ بدا یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہوگئی۔ بدا میں تو غیر ظاہر مصلحت کا ظہور ہے پس فرق ظاہر ہوگیا۔ نسخ بدا کو تو تب مستلزم ہوتا جب اتحاد فعل، اتحاد وجہ، اتحاد مکلف، اتحاد وقت ہو۔ اس قسم کا نسخ تو محال ہے۔ کہ ان چار شرائط کے ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہوگیا۔ اور نماز عید کی واجب ہوگئی۔ یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے۔ مثلاً پہلے صوم یوم عاشوراء واجب تھا۔ پھر منسوخ ہوکر مستحب ہوگیا۔ یا مثلاً وقت مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً استقبال بیت المقدس ایک زمانہ میں تھا۔ اور استقبال کعبہ شریف دوسرے زمانہ میں تا ابد ہوگیا۔ "فول وجھك شطر المسجد الحرام" تو ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلفین بدل جاتے ہیں مثلاً مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں۔ کہ جس کو معنی کی تصویر میں دخل نہ ہو۔ بہاولپور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے ایک نعتیہ کلام میں مستدرک حاکم کی ایک حدیث ہی بعینہٖ رکھدی ہے۔ ؎

اے آنکہ ہمہ رحمت مہداۃ قدیری
باراں صفت در بحر سمت ابر مطیری

"انا رحمۃ مھداۃ" حدیث شریف ہے۔ مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔

پھر کچھ اشعار بھی سنائے (اور مشکوٰۃ میں بھی ہے)

معراج تو کرسی شدہ وسیع سموات ۔۔۔ فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری

| | |
|---|---|
| بر عرش فرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت | ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری |
| ختم رسل نجم سبل صبح ہدایت | حقا کہ نذیری تو و الحق کہ بشیری |
| آدم بصف محشر و ذریت آدم | در ظل لوایت کہ امامی و امیری |
| یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا | تا مرکز عالم تو ئی بے مثل و نظیری |
| ادراک بختم است، کمال است بخاتم | عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری |
| اُمّی لقب و ماہ عرب مرکز ایمان | ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری |
| عالم ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمالی | تفصیل نمودند درین دیر سدیری |
| ترتیب کہ رتبی ست چو وا کردہ نمودند | در عرصۂ اسرا تو خطیبی و سفیری |
| حق است و حقے است چو تمانند باطل | آں دین نبی ہست اگر پاک ضمیری |
| آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر | آیاتِ تو قرآں ہمہ دانی ہمہ گیری |
| آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل | حرف تو کشودہ کہ خبیری و بصیری |
| اے ختم رسل امت تو خیر امم بود | چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصل اخیری |

کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور
بارو ئے سیاہ آمدہ و موئے زریری

---

ایک دفعہ جب ابھی حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند ہی میں تھے۔ احقر زیارت کی غرض سے حاضر ہوا۔ مولانا حافظ غلام محمد لدھیانوی خطیب مسجد جہانیاں منڈی، ضلع ملتان کو خدمت میں حاضر کر کے عرض کیا کہ اگر حضرت قصائد عربی و فارسی عنایت فرمادیں تو یہ مولوی صاحب اعلیٰ درجہ کے کاتب ہیں، یہ لکھ دیں گے۔ اور احقر طبع کرا دے گا۔ لوگوں کو اس سے علمی استفادہ کا موقع مل جائے گا۔ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا کہ میں انہیں تھوڑے تھوڑے دیتا رہوں گا۔ یہ جوں جوں کتابت کرتے جائیں گے، میں دیتا جاؤں گا۔ پھر یکایک ڈابھیل جانے کا ابتلاء پیش آگیا۔ اور وہ تجویز یوں ہی رہ گئی۔ مولانا غلام محمد صاحب بھی بیمار ہو کر وطن تشریف لے آئے

مگر میرے خیال میں رہا کہ یہ کام ہو جائے تو زہے نصیب۔ لیکن خدا تعالیٰ کو منظور کچھ اور ہی تھا۔ کہ حضرت کا مرض بواسیر ترقی کر گیا۔ تا آنکہ مئی ۱۹۳۳ء مطابق ۳ صفر ۱۳۵۲ھ میں وصال ہو گیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون

پھر ۱۹۴۶ء میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ کا والا نامہ لدھیانہ سے مجھے رائیکوٹ ملا۔ بعینہٖ درج کیا جاتا ہے۔

محترم و مکرم!

السلام علیکم۔ برادر عزیز مولوی سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر نے حضرت استاد مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند عربی و فارسی قصائد میرے پاس بھیجے ہیں۔ تاکہ میں ان کو طبع کرا دوں۔ یا ان کا کسی تاجر سے معاملہ ہو جائے مگر یہ خدمت تب ہی ہو سکتی ہے۔ کہ ان تمام قصائد کا اردو زبان میں ترجمہ اور شرح بھی ہو جائے۔ اور باقاعدہ مرتب بھی ہو جائے۔ اس کام کو آپ سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اگر تکلیف نہ ہو تو یہ خط دیکھتے ہی ایک دن کے لئے تشریف لے آئیں۔ تاکہ میں بتا سکوں کہ میں اس سلسلے میں کیا چاہتا ہوں۔ والسلام!

از لدھیانہ حبیب روڈ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۶ء

حبیب الرحمٰن

ان ہی ایام میں حضرت اقدس رائے پوری کا والا نامہ آیا تھا۔ کہ حضرت مدنی کے امیدواروں کو کامیاب بنانا ہے۔ میاں تاج الدین انصاری اور جمعیۃ العلماء کے نمائندے یکے بعد دیگرے آنے لگے۔ احقر کو کھینچ تان کر لے گئے۔ احقر کئی ماہ تک گھر سے باہر دیہات ہی میں پھرتا رہا۔ میرے پاس دیوبند سے حضرت مدنی بھی تشریف لائے اور ساتھ لے گئے۔

مولانا محمد علی جالندھری کے بھی خطوط آنے لگے۔ اور کئی بار احقر کو اوگی ضلع جالندھر جانا پڑا۔ یہ احقر کا آبائی گاؤں بہت بڑی بستی ہے۔ مولوی محمد علی جالندھری کا پہلا پولنگ اسٹیشن تھا۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد ملک میں فسادات کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ اور ملک بدل گیا اور اسلامی نظام ہی درہم برہم ہو گیا۔

اے لباس رزو کہ خاک شدہ

اب بھی اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ تقریر دلپذیر حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اور اکفار الملحدین اور عقیدۃ الاسلام حضرت شاہ صاحبؒ کے اور صدع النقاب عن جساسۃ الفنجاب، اور ضرب الخاتم جب تک داخل درس نہیں کریں گے طلبہ پر مسائل اور عقائد کی حقیقت نہیں کھل سکتی۔ علمی رنگ میں حل مسائل کا جب ہی ہو گا۔

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ایک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے۔ افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہو سکے۔ جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ڈاکٹر اقبال کو تحریر کئے۔ بعض خطوط تو تیس تیس صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ علمی ذخیرہ کہاں کھو یا گیا۔ خود فرماتے تھے۔ جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر محمد اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب علوم قرآن و حدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ اور مولانا میر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

حضرت کا قصیدہ صدع النقاب جب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا پہلا جلسہ ۱۹۲۴ء میں ہوا اور تمام علماء دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سیکروڈوی خادم حضرت شاہ صاحب، حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لائے یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا۔ لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا۔ وہ یہ ہے (چند اشعار بطور نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ ۶۱/ اشعار پر مشتمل ہے:۔

الا یا عباد اللہ قوموا وقوموا     خطوبا الَمّت ما لهنّ یدان

اے اللہ کے بندو! اٹھو اور ناقابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں انکو درست کرو!

یسب رسول من اولی العزم فیکم — تکاد السماء والارض تنفطران

ایک اولوالعزم پیغمبر کو تمہارے اندر برا بھلا کہا جا رہا ہے جس سے قریب ہے آسمان اور زمین پھٹ پڑیں

وحارب قوم ربھم ونبیھم — فقوموا لنصر اللہ اذھو دان

اور ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی تم اللہ کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ جو کہ نزدیک ہے

وقد عیل صبری فی انتہاک حدودہ — فھل ثم داع او مجیب اذان

اور خدا کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہو گیا پس ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا۔

واذعن خطب جئت مستنصرا بکم — فھل ثم غوث یا لقوم یدان

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا۔ پس اے میری قوم ہے کوئی فریادرس جو میرے قریب ہو

لعمری لقد نبھت من کان نائما — واسمعت من کانت لہ اذنان

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو سنایا

ونادیت قوما فی فریضۃ ربھم — فھل من نصیری من اھل زمان

اور قوم کو اس کے خدا کے فریضہ کی طرف بلایا پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے

دعوا کل امر واستعدوا لما دھی — وقد عاد فرض العین عند عیان

سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعظم نے ایک صاحب کو

تعزیت نامہ لکھکر بھیجا۔ ھ

انا نعزیک لا ان علی ثقۃ من البقاء ولکن سنۃ الدین
فما المعزی بباق بعد میتہ ولا المعزی ان عاشا الی حین

(ترجمہ) ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن یہ سنت ہے دین کی پس نہ تو معزی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا اگرچہ ایک زمانے تک جیتے رہیں۔ (آخر سب کو موت ہے) ع

"جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس یا ایک دن" (مجموعہ غزلیہ)

فرمایا حافظ ابو زرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزار ہا گھر جل گئے۔ اور قرآن بھی جلے لیکن یہ آیات نہ جلیں۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم۔ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی۔ الرحمن علی العرش استوی۔ لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثری۔ یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون۔

فرمایا یہ تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھکر کسی برتن میں بند کر کے دوکان یا گھر یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھکر

پانی پر دم کریں تو لاعلاج مرض کے لئے مفید ہے۔ یہ ایک سو بیودہ دم ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض بعض علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ مثلاً ابو الدرداءؓ کو شام کی طرف تعلیم کی خاطر بھیجا تھا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کا بیت المال سپرد کیا۔ اور حضرت عمارؓ کو امامت کے لئے بھیجا تھا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا۔ اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک قرقیسہ میں چھ سو ۶۰۰ صحابہؓ آباد تھے۔ الحاصل صحابہ کرامؓ مختلف بلاد میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم و کلمۂ اسلام کو پھیلانے کے لئے نکل گئے تھے۔

سو اگر مالکیہ کو فخر ہے اس بات پہ کہ ان کا امام "دار الہجرۃ" کا رہنے والا تھا۔ تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالکؒ امام دار الہجرۃ تھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہؓ عراق میں بس گئے تھے۔ اور وہیں علم نحو مدوّن ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہوئی۔ آپؓ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت "ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ" میں رسولہ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا۔ تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے ابو اسود دؤلی کو فرمایا کہ ایک قانون ایسا بناؤ کہ خطا لفظی سے لوگ محفوظ رہیں۔ پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا۔ "کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب و کل مضاف الیہ مجرور"۔

پھر فرمایا "انح نحوہ"۔ پھر اسود دؤلی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی۔ حضرت علیؓ نے تصویب فرمائی۔ پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے۔ مگر و لکنّ چھوڑ گئے۔ حضرت علیؓ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا۔ غرض حنفیہ کو بھی فضیلت ہے۔

فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے "انما اراکم من وراء ظہری" یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا۔ ایسا ہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور فلسفہ

بدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء انسانی میں ہے۔
ارکعوا اور اقیموا الرکوع میں فرق ہے۔ ثانی ابلغ ہے۔ اس لئے کہ یہ لفظ وہاں مستعمل ہوتا ہے۔ جہاں لولاہ لا نعدم الشئی مراد ہوتا ہے لہٰذا ترجمہ قول یقیمون الصلوٰۃ کا یہ کریں گے برپا رکھتے ہیں نماز کو یعنی کہ اگر برپا نہ رکھتے تو اس کی ہستی جاتی رہتی۔
ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ سبحانک اللّٰھم وبحمدک بعد تکبیر کے پڑھے۔ اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رض نے اس کو جہراً پڑھا ہے۔ یہ محض تعلیماً تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مختار اللّٰھم باعد ہے۔ یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے۔ اور جو ہمارا مختار ہے وہ قوۃ تعامل کے اعتبار سے قوی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا۔
یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قوۃ سند پر اعتراء اور تعامل سلف سے اغماض بہت دفعہ مضر ثابت ہوا ہے۔ کہ اسناد تو دین کی صیانت کے لئے تھی۔ پس لوگوں نے اسی کو پکڑا حتی کہ تعامل سے اغماض ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہو سکتا ہے۔
فرمایا کہ سورۃ مزمل میں نصفہ بدل واقع ہو رہا ہے۔ اللیل سے اس لئے کہ ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی گئی تو ثلث رہ گیا۔ اور اگر نصف میں زیادتی کی تو تثلیث قیام لیل کے لئے رہ گیا۔ اور منہ اور علیہ کی ضمیریں نصف کی طرف عود کرتی ہیں۔ بہرحال محور نصف لیل ہے۔ یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے۔ اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ ما دون الثلث قلیل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "الثلث کثیر" گویا عبارت یوں ہے:
قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ اے ادتم القیام فی ھذا الوقت المعلوم علی ھذہ الصورۃ۔

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلث لیل عشاء کے لئے دے لیا۔ چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی۔ کما فی الاحادیث۔ باقی حکم اس کے ماسوا کی طرف پھیرا گیا۔ اور اس کا محور نصف لیل رکھا گیا۔ اور اس پر کم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا۔ گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں۔ اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا سو مصلی کو اختیار دیتے ہیں۔ ومن اللیل فتهجد بہ نافلۃ لک میں بھی کل لیل کا احیا مطلوب نہیں۔

فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر ن الصدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر کی روایت کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے۔ یہ روایت دارقطنی میں مختصر آئی ہے اور امام بخاری نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔

شیخ نیموی نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے۔ امام بخاری نے اس میں تیرہ رکعات صلوٰۃ اللیل ذکر کی ہیں۔ ان دونوں کی ایک ہی سند ہے۔ ایک ہی متن ہے۔ یہ راوی کا تفنن ہے۔ جب جمیع طرق حدیث جمع نہ کئے جائیں تو ایسا مغالطہ لگ جاتا ہے۔

فرمایا یا ایها المزمل (الآیۃ) میں رات کے تین حصے کر دئے۔ ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا۔ اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا۔ اگر اس میں عشاء ادا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا۔ اور اگر نوافل ادا کئے تو دو ثلث لیل ہو گئے۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو چاہیئے کہ نصف مد نظر رکھیئے۔ تاکہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلوٰۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے حضرت شاہ صاحب اکثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو غالباً مفتی عتیق الرحمن فرماتے تھے۔ کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب الرحمن

شیروانی صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے۔ ان کے سوال پر تقریر فرمائی۔ اور (یا ایھا المزمل کی تفسیر فرمائی) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت بس مسئلہ خوب ذہن نشین ہو گیا۔ مجھے بڑا خلجان رہتا تھا۔ اب صاف ہو گیا۔

مفتی عتیق الرحمٰن نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر آخرت فرمانے سے چند یوم قبل درِ دولت پر حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میں نے کبھی پیشینگوئی نہیں کی۔ اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں۔ عرض کئے دیتا ہوں" ایک یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی" دوم ہندوستان ضرور آزاد ہوگا" اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہو گئی۔ یہ عجب کی بات ہے۔ جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال کا تار آیا۔ اور ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا۔ یہ واقعہ رائیکوٹ ۱۹۳۳ء کا ہے۔

۱۳۳۸ھ میں جب شیخ الہندؒ ہندوستان میں واپس تشریف لائے اور مولانا سراج احمد صاحبؒ نے چند اشعار فرمائے تھے (مولانا مرحوم اردو کے بہترین شاعر بھی تھے) دیوان حماسہ تو حفظ یاد تھا۔ کئی ماہ تشریف آوری سے قبل فرما دیا تھا شیخ آنے کو ہے۔ ساتھ اللہ کے فتی آنے کو ہے۔ فتی سے مراد مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں۔ دیوبند کے ایک تعزیتی جلسہ میں حضرت مدنیؒ نے فرمایا تھا۔ ؎

حالِ من در ہجر حضرت کمتر از یعقوب نیست

او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری ہوئی۔ تو ایک مخلوق جمع ہو گئی۔ پنجاب سے ہزاروں علماء زیارت کے لئے دیوبند پہنچے۔ سندھ کے مشائخ میں سے حضرت مولانا تاج محمود امروٹی بھی تشریف لائے تھے۔ یہ بزرگ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے مربی تھے۔ مولانا احمد علی کا بھی ان سے تعلق تھا۔

ف :۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ قرآن مجید تو خوب اشاعت پذیر ہوا۔ بجنور کے مطبوعہ قرآن مجید میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا۔ منشی محمد قاسم لدھیانوی مرحوم جن کا مولانا مجید حسن صاحب نے انتخاب کیا کتابت عربی رسم الخط کے

استناد تسلیم کر لئے گئے تھے۔ صحت کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ اور بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے لیکن وہ خوبی نظر نہیں آئی جو بجنور کے طبع شدہ قرآن عزیز میں تھی۔ ہانگ کانگ میں بھی ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ کاغذ تو نہایت اعلیٰ لگایا گیا۔ لیکن صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔ پھر بھی غنیمت ہے۔ لاہور میں تاج کمپنی نے بھی اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے۔ لاہور اچھرہ سے قاری عبدالرشید مالک نورانی پریس نے بھی اس کو شائع کیا ہے لیکن وہ بجنور والی بات کہاں؟

دوسری بات جو حضرت شاہ صاحب نے فرمائی تھی وہ بھی پوری ہو گئی۔ کاش انڈیا والے اس کی قدر کرتے۔ ۱۹۲۷ء میں مئی کے اواخر میں جب کشمیر طویل رخصت پر تشریف لے جا رہے تھے گوجرانوالہ دو دن قیام فرمایا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب محدث گوجرانوالہ سے بدائع الفوائد ابن قیم کی مستعار طلب کر رہے تھے۔ کہ مولانا حسین احمد صاحب حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآن پر فوائد لکھیں گے۔ مولانا ہم سے پوچھتے تھے تو وعدہ کر لیا تھا۔ کہ ہم سامان آپ کو دیں گے مولانا عبدالعزیز نے یہ کتاب تازہ مصر سے منگائی تھی۔ اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں دکھانے کے لئے پیش کر رہے تھے۔

یہ بھی فرمایا۔ قسطنطنیہ سے مولانا عبیداللہ سندھی کا ہمارے پاس خط آیا ہے کہ امام بقاعی کی کتاب "السلک السدس فی نسق الآیات والسور" آیات اور سورتوں کی ترتیب میں بہترین ہے۔ ایک زمانے میں ہم نے بھی یہ کتاب دیکھی تھی۔ بڑی عمدہ کتاب ہے۔ لیکن مصنف چونکہ معتزلی العقیدہ ہے اس لئے مجھے چنداں پسند نہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہٗ بھی کئی بار تشریف لاتے رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی دو بار تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند ترجمۃ القرآن کا مقدمہ خود زبان مبارک سے سناتے تھے۔ ان دنوں احقر دورہ کی جماعت میں شامل تھا۔ بیعت بھی چونکہ حضرت شیخ الہند سے تھی۔ اس لئے کئی بار دن میں حاضری ہو جاتی تھی۔ اور حضرت کی

زبان مبارک سے کئی بار یہ مقدمہ سُنا۔

میرٹھ سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم جب تشریف لائے تو بعد عصر خوب خوش ہو کر سُنا رہے تھے۔ ایسا ہی جب حضرت تھانوی تشریف لائے تو حضرت شیخ نے بڑے اہتمام سے سنایا۔

جب ادھیانہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے تو فرمایا ہم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کریں گے اور دیوبند میں بار بار مولانا شبیر احمد صاحبؒ سے عرض کیا کہ سلف کے طریق پر ایک تفسیر لکھنی چاہیئے جس میں موجودہ فتن کا رد ہو۔ دس پارے میں لکھتا ہوں اور دس دس آپ حضرات لکھیں۔ یا مولانا خلیل احمد صاحب کی بجائے مولانا شبیر احمد صاحب لکھیں۔ پھر اس کو یورپ میں اعلیٰ کاغذ اور اعلیٰ طباعت سے شائع کیا جائے۔ تاکہ موجودہ دور میں ان فتن خصوصاً قادیانیت کا رد بھی ہو جائے۔ اور محمد علی لاہوری کے الحاد اور دجل پر دنیا مطلع ہو سکے۔

پارسال ۱۹۶۲ء میں احقر کے نام جنوبی افریقہ سے متعدد خطوط آئے۔ کہ ہم نے ایک سوسائٹی ترجمہ القرآن کرنے کے لئے بنائی ہے۔ یہاں کی زبان یا تو افریقی ہے۔ یا لوگ اکثر انگریزی بولتے ہیں۔ خاص کر یورپین لوگ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن کا انگریزی ترجمہ چاہتے ہیں۔ آپ مشورہ دیں کہ ہم کون سا قرآن منتخب کریں؟ احقر نے ان کو لکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کا قرآن شائع کریں۔ اور ایسے عالم دین سے انگلش میں ترجمہ کرائیں جو دینی علوم کا بھی ماہر ہو اور انگریزی زبان پر پوری دسترس رکھتا ہو۔ تاکہ عقائد اور ان کا انگریزی ترجمہ کرنے میں دھوکہ نہ کھائے

الحمد للہ! ان لوگوں نے کروڑ روپے سے یہ کام شروع کیا ہے خدا کرے تکمیل کو پہنچ جائے۔ اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے خواب کی تعبیر عملی جامہ پہن لے۔ اس اہم بات کو جس کے پاس بیان فرماتے اس وقت آپ کو بڑی ہی رقت ہوتی

اللھم برّد مضجعہ

بہاولپور کے مقدمہ میں شہادت کے لئے جب تشریف لے گئے تو ان دنوں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ۔ مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ سنٹرل جیل ملتان میں تھے حضرت نے بڑی لجاجت کے ساتھ دونوں حضرات سے ذکر کیا۔ مولانا احمد علی صاحب سے لاہور میں تاکیداً فرمایا کہ یہ کام ضرور کرو۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم حضرت رائپوری کو سنا رہے تھے۔ (یہ لدھیانہ ہی کی بات ہے۔ جب حضرت رائپوری ۱۹۴۱ء میں لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ کہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ قدس سرہٗ میرے مکان پر لاہور سے اپریل ۱۹۳۳ء واپسی پر تشریف لائے۔ وزیر تعلیم عبدالحئی ایڈوکیٹ حضرت کی زیارت کے لئے آئے۔ معاً حضرت نے فرمایا۔ کہ" وزیر صاحب کچھ فارسی کا بھی ذوق ہے"؟ عرض کیا ہاں کچھ ہے۔ تو فوراً "خاتم النبیین" کا مسودہ نکال کر سنانے لگے۔ پھر فرمایا کہ "اگر کچھ کرنا ہے تو دین محمدی کی کچھ خدمت کرنا چاہیئے"۔

وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ کہ جب بعد مغرب تابوت حضرت شیخ الہند کا دہلی سے دیوبند اسٹیشن پر آیا۔ غالباً ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تھا۔ تمام اکابر ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ طلباء واہل دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار کرنا مشکل تھا۔ جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ نہایت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا۔ اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ تابوت اٹھائے ہوئے تھے۔ اور روتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت کی طرف آرہے تھے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں " ولم ار مثل الیوم کم کان باکیا" یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے۔ ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں سبھی اکابر نے مرثیے پڑھے۔ حضرت شاہ صاحب کھڑے ہوئے آنسو رہے تھے۔ دو قصیدے ایک عربی مرثیہ جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے۔

پہلے وہ پڑھا ؎

فقابنك من ذكرى هذا دفنن معا — مصيفا و مشتاقا ثم عرائى و مسمعا

قد احتفه الالطاف عطفا و علفة — و يودك فيه مربعا ثم مربعا

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا سب حاضرین وقف گریہ و بکا تھے۔ ؎

بگذر از یاد گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست — در زمین و آسماں جز نام حق آباد نیست

برروان رہرواں ہاں رحمتے بفرستہ باش — حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

شرح حال خود نمودن شکوۂ تقدیر نیست — نالہ برسنت نمودن نوحہ و فریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن و ملال کا اظہار کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ اس لئے آنسو بہانا یا غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپؐ نے فرمایا تھا " انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون " اور آنسو جاری تھے۔ طویل قصیدہ ہے بڑا دردناک رقت انگیز۔

۱۹۲۹ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا۔ اس میں حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحبؒ مرحوم، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے ولولہ انگیز تقریر کی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیئے تو حضرت شاہ صاحب کشمیری اپنی جگہ سے اٹھکر کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ " مجھے کچھ ذکر اذکار تلقین کیجئے " ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا۔

پھر میں نے کہا کچھ رد قادیانیت کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے۔ لہٰذا میں ایسا بے اعلان کے سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ سید عطاء اللہ صاحب کھڑے رو رہے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کشمیری

کے بھی آنسو جاری تھے۔ بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا۔ ہمارے حضرت رائے پوری بھی فرما رہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ردّ قادیانیت پر لگایا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب خود حضرت رائے پوری کی خدمت میں سنا رہے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانوی نہایت شفقت سے ملے۔ اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سہ دری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں۔ ہمارے سرپرست تو رخصت ہو گئے۔ تو حضرت تھانوی فرمانے لگے۔ اجی شاہ صاحب کے کیا کہنے۔ میں تو مولانا انور شاہ کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ امام غزالی کے متعلق لکھا ہے۔

مولانا خیر محمد صاحب نے میانی افغاناں ضلع ہوشیارپور کے سفر میں جب کہ ہم دونوں وہاں جلسہ میں گئے تھے۔ تو مولانا نے راستہ میں بیان فرمایا تھا۔ یہ ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے۔ مولانا احقر کو سنا رہے تھے۔

قولہ تعالیٰ: بلیٰ من کسب سیئة و احاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ط

اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول "لن تمسنا النار الا ایاما معدودة" کی اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو۔ ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے۔ ایسا ہی زنا، چوری لواطت بھی حرام ہیں۔ کبائر ہیں۔ لیکن طبعی حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام فسق و فجور عصیان ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عند اللہ کے بعد

ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائیگا۔
بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائے گا۔ یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس الامر (حقیقت)
میں ثابت ہے۔ خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو۔ خواہ شعائر اللہ کے
متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو۔ یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار
کرتا ہو اس کو جحود اور کفر۔ زندقہ اور الحاد کہتے ہیں۔ اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب
کی وعید سنائی گئی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں " الفاسق لا یخلد فی النار" چونکہ ملت حقہ
اس زمانے میں صرف یہودی تھے۔ جو کہ بنی اسرائیل تھے۔ وہ اپنی غباوت سے یہ سمجھ گئے
کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔ اس
فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا۔ اور کہہ دیا " لن تمسنا
النار الا ایاما معدودات" حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس طرح رد کر دیا کہ
" کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے"۔ اتخذ تم عند اللہ عھدا ام
تقولون علی اللہ ما لا تعلمون"۔ کیوں کہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور
یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماول جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی۔ اور تاویلات اعتقادیا
اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرما دیا کہ " بلی من کسب
سیئۃ و احاطت بہ خطیئۃ " الآیہ کہ فساد علم و عمل اور خرابی عقیدہ و اعمال اس
حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے۔ موجب "خلود فی النار" کا
ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو بظاہر کلمہ گوہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو۔
یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے۔ زبان ہی سے انکار کرنا شرط
نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ دھمکی دی ہے۔ والعیاذ باللہ
ثم العیاذ باللہ

"مراجعت کرد فتح العزیزیہ" کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے "واتبعوا ماتتلوا الشیاطین" یعنی انہوں نے اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے اب تک۔

"وماکفر سلیمان" یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مثل کفر کے ہے۔ وما انزل علی الملکین الخ اس کا عطف "ماتتلوا" پر ہے۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت ماروت پر اترا تھا۔ وہ سحر ہی تھا۔ بلکہ عطف تو مغائرت پر دلالت کرتا ہے محض لفظوں میں قرآن کے باعث یہ وہم ہوتا ہے بلکہ وہ ایسے عزائم میں سے تھا جس کا مادہ شر نہ ہو بلکہ نتیجہ اس کا شر ہوتا ہے۔ مثلاً ادویہ طبعیہ مثلاً اسبغول اس کا لعاب پیتے ہیں۔ اگر اس کو چبائیں تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل سیفی کرتے ہیں کسی کو ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے۔

"حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر" وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر لو یعنی ہم سے سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہ کرنا۔ جس کا نتیجہ برا نکلے۔ اور غایت تشنیع کے باعث اس کو کفر فرمایا گیا۔ اس واسطے بھی کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے مثلاً کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے پھر اس کو استعمال کرے دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے۔ تفریق زوج اور زوجہ میں تو فسق ہے کفر نہیں ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں۔ کہ ہاروت ماروت پر تعلیم دینے کے لئے سحر نازل ہوا تھا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا۔ دیکھو جو ابن جریرؒ نے ربیع سے نقل کیا ہے۔ اور اس کو ابن کثیر نے جید کہا ہے۔ بلکہ تابعین کی ایک جماعت۔ مثل مجاہدؒ سدیؒ۔ ربیع ابن انسؒ۔ حسن بصریؒ۔ قتادہؒ۔ ابو العالیہ۔ زہریؒ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند سے صادق ومصدوق ومعصوم سے ثابت نہیں۔ اور ظاہر قرآن بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ اس اجمال پر ایمان لایا جائے بغیر المناب کے۔ اور موضح القرآن میں "یلحدون فی اسمائہ" میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے۔ "والذین یلحدون فی اسمائہ" الآیۃ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں۔ وہ کہہ کر پکارو۔ تاکہ تم پر متوجہ ہو اور نہ چلو کج راہ۔ کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتلائے۔ بندہ وہ کہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کو بڑا کہا ہے لمبا نہیں کہا۔ یا قدیم کہا ہے۔ پرانا نہیں کہا۔ اور ایک کج راہ یہ ہے کہ ان کو سحر میں چلائے اپنے کئے کا پھل پا رہیں گے۔ یعنی قرب خدا نہ ملے گا۔ وہ مطلب ملے گا بھلا ہو یا برا۔ یا یوں بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے۔ کہ یہود جو کچھ ہاروت ماروت سے سیکھتے تھے۔ اور جو سحر انہوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا۔ ان دونوں میں خلط ملط کرتے تھے۔ پس ظاہر اور غیر ظاہر کے ملنے سے تثلیث پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فلا تکفر۔ پس یہ ایسا ہوا جیسے قولہٗ تعالیٰ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ اما پس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا۔ بلکہ بالعرض ہوا۔ جیسے علم دین پڑھے "لیجادی بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء" پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے ادھر بھی گئی ہے۔ کہ یہاں مانا فیہ ہے۔

"کان الناس امۃ واحدۃ" حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کو موضح القرآن میں شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے۔ اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو ایک ہی راہ ہے۔ جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجا کہ ان کو سمجھائے۔ کہ اس راہ پر چلیں۔ پھر کتاب والے کتاب سے بچلے۔ تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی۔ سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ تندرستی ایک ہے۔ اور امراض بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ اب آخری کتاب میں ایسی دوا بتلائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے۔ یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

ھدایۃ کے معنی طریق حق اور صواب کی طرف راہنمائی کرنا۔ اور وہ ایک ہی ہو سکتا

ہے۔ لوگوں نے اختلاف کیا۔ یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام لائے۔ اور بعضوں نے ترک کردیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں " انما اختلفوا فیہ من الاسلام" ہے۔ (البحر المحیط)

چنانچہ " وما تفرق الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءتھم البینۃ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء "

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو حنیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے۔ اور یہ اسلام ہی میں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

ابھی فروری ۱۹۶۵ء میں مولانا غلام نبی صاحب فاروقی شرق پور سے تشریف لائے مولانا فاضل دیوبند اور حضرت شاہ صاحبؒ سے دورہ حدیث شریف پڑھا ہے تقریباً ۲۳ گھنٹے قیام فرمایا۔ اور حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ فرماتے رہے۔ بڑے فاضل ہیں مردان کے علاقہ کے باشندے ہیں۔ جب میں نے باچشم نم بہاولپور کے مقدمہ کا تذکرہ کیا۔ اور یہ کہ حضرتؒ نے جامع مسجد بہاولپور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا۔ کہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ "تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ" تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی۔ شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا۔ یہ سنتے ہی مولانا بیقرار ہو گئے۔ اور رقت طاری ہو گئی۔

جب تک حضرت شاہ صاحبؒ بقید حیات رہے حضرت مولانا احمد علی صاحب جلسہ کرتے رہے۔ جب وصال فرمایا پھر کبھی جلسہ نہیں کیا۔ جب تک دہلی قیام رہا حضرت شاہ صاحب کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لاتے رہے۔ جب لاہور تشریف لے آئے اور حضرت شاہ صاحب ۱۹۲۱ء میں لاہور بغرض تردید قادیانیت کے سلسلہ میں تشریف لائے۔ اور میاں قمر الدین صاحب مرحوم نے زیارت کی اور تقریر سنی۔ تو حضرت سے عقیدت ہو گئی۔ پھر لاہور وزیر خاں کی مسجد میں مولانا دیدار علی کی مسجد میں

حضرت شاہ صاحبؒ نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اور بعد نماز تقریر فرمائی۔ تو مولانا نجم الدین پروفیسر اورینٹل کالج لاہور بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ فرمایا مولانا نجم الدین اور مولانا احمد علی بھی ہمارے علماء میں سے ہمارے ساتھ تھے۔

سب سے اوّل اہل لاہور کو حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا موقع نصیب ہوا تھا۔ ڈاکٹر اقبالؒ بھی اس وقت زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ احقر کا ان دنوں دورہ حدیث تھا۔ دیوبند واپس تشریف لے جاکر درس حدیث میں سارا سفرنامہ سنایا تھا۔

دسمبر ۱۹۳۲ء کے اواخر میں ڈابھیل حاضر ہوکر مولانا احمد علی صاحب دعوت دے کر آئے تو حضرت دو تین شب دیوبند ٹھہر کر لاہور جلسہ میں شرکت کی غرض سے تشریف لے آئے۔ مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف لائے تھے۔ یہ جلسہ بڑی شان سے ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے صدارت فرمائی۔ اور تقسیم اسناد بھی ترجمۃ القرآن سے فارغ التحصیل علماء کو فرمائی تھی۔ واپسی دیوبند کے سفر میں احقر بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ امرتسر پہنچ کر کھانا کھایا۔ مولانا غلام مصطفےٰ کشمیری جو کہ رشتہ میں بھانجے حضرت شاہ صاحب کے ہوتے تھے۔ اور مولانا عبداللہ صاحب فاروقی مرحوم بھی تھے۔ جب کھانا تناول فرمانے لگے تو ہم سب کو بھی شریک فرمایا۔ احقر ادباً زمین پر بیٹھنے لگا تو نیچے کا کپڑا سرکا دیا۔ فرمایا اجی اسے کیوں اٹھاتے ہو۔ اسے بچھا ہی رہنے دو۔ اس کے اوپر بیٹھ جاؤ۔ اب تکلف چھوڑ دو بے تکلف بیٹھو۔

پھر بعد فراغت طعام احقر نے کچھ باطنی حالات سنانے شروع کئے۔ بڑے غور سے سنتے رہے۔ پھر فرمایا کہ حالات سب مبارک ہیں۔ پھر دعائیں دیتے رہے۔

مولانا عبداللہ صاحب مرحوم نے دریافت فرمایا کہ مولانا عبدالقادر رائے پوری نے بھی آپ سے پڑھا ہے۔ فرمایا ہاں!۔

امرتسر سے کسی صاحب نے پھلوں کی پیٹیاں ساتھ کردیں۔ مولانا غلام مصطفےٰ کشمیری سے فرمانے لگے کہ کوئی پھل نکالو۔ پھر فرمایا کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو بچے کچھ مانگتے

ہیں۔ تو اس لئے کچھ پھل خرید کر ساتھ رکھ لیتا ہوں۔ بعض دفعہ سہارنپور یا دیوبند ہی سے
کچھ لے لیتا ہوں۔ بچے جب پوچھتے ہیں۔ اباجی! یہ وہیں سے لائے ہیں جہاں سے آپ
آرہے ہیں۔ تو چشم پوشی کرتا ہوں اور مسکرائے۔

بہاولپور کے سفر میں تشریف لے جاتے وقت یہ فرمایا کہ یہاں پر علماء سنٹرل
جیل ملتان میں مقید ہیں۔ ان سے ملاقات کرکے آگے جانا ہے اس لئے ملتان چھاؤنی کے
اسٹیشن پر اتر گئے۔"

صبح صادق ہو چکی تھی جب گاڑی ملتان چھاؤنی پہنچی۔ اترتے ہی پلیٹ فارم پر
مجمع کے ساتھ نماز با جماعت ادا کی۔ پھر مجلس احرار کے دفتر میں تشریف لائے۔ ان
لوگوں نے وہاں چائے کا انتظام کر رکھا تھا۔ بہت مجمع ہو گیا بعض لوگ بیعت بھی ہوئے
ان کو بیعت فرمایا۔ بعد نماز فجر کلمہ توحید ۱۰۰ سو بار اور بعد نماز عصر کلمہ تمجید ۱۰۰ سو بار۔ بعد نماز
عشا درود شریف ۱۰۰ سو بار۔ نماز کا درود تو بہت فضیلت رکھتا ہے۔ یا یہ درود شریف
پڑھیں۔ "اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد
وصحب سیدنا محمد وبارک وسلم"۔

اس کو درود مشہور کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ سہروردی طریقہ ہے۔ اس کو اوراد
کہتے ہیں۔ جب تخلیہ ہوتا تو بیعت کرتے وقت دوازدہ تسبیح چشتیہ بھی تلقین فرماتے
اور اس کا طریق بھی خود کرکے دکھاتے۔ خوب شد و مد سے۔ "اللہ اللہ" اور لا الہ
الا اللہ" فرماتے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرے اس کو اوراد کہتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا کہ مبسوط میں احادیث بہت ہیں۔ میری زبان سے نکلا کہ مبسوط
میں احادیث مذکور نہیں وہ ایک متن فقہ کا ہے۔ فرمایا (ان مولوی صاحب کی طرف
خطاب کرکے) کچھ ذخیرہ احادیث آپ کی نظر سے گذرا؟ احقر نے ان مولوی صاحب
سے کہا کہ وہ جو آپ ذکر فرما رہے ہیں وہ تو شمس الائمہ کی مبسوط ہے۔ اس کو بھی مبسوط ہی
کہا جاتا ہے۔ پھر کھانا تناول فرمایا۔ اور قبل ظہر ایک کوٹھی میں تشریف لے گئے جو حضرت
شاہ صاحب کے ایک مرید نے بنوائی تھی۔

بعد نماز ظہر احقر سے فرمایا۔ وہ رسالہ لائیے جو آپ نے ردّ قادیانیت میں لکھا ہے۔
احقر نے پیش کیا۔ عصر تک مطالعہ فرماتے رہے۔ بہت مسرّت کا اظہار فرمایا۔ پھر بہاولپور
جا کر مولانا تسنیم احسن اور مولانا غلام محمد گھوٹویؒ اور علماء سے اس کا تذکرہ فرماتے رہے
کہ اس نے رسالہ لکھا ہے۔ جس میں کفریات مرزا مزید جمع کئے ہیں۔ پھر فرمایا میں اس کو ڈابھیل
طبع کرا دوں گا۔ تاکہ وہاں کے طلباء یاد کریں۔ احقر نے عرض کیا صاف کر کے ارسال
کر دوں گا۔ پھر التواء ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔
افسوس کہ تقسیم ملک کے وقت وہ سب کاغذات ضائع ہو گئے: مولانا نجم الدین
صاحب لاہور والوں کا بیان اس سے مرتب کیا گیا تھا۔ مولانا محمد صادق کو حضرت شاہ
صاحبؒ سے عشق ہو گیا تھا ہر وقت خدمت مبارکہ میں حاضر رہتے تھے۔ مولانا مرحوم
حضرت کے سامنے خاموش رہتے تھے۔ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ خاموش
بیٹھے رہتے۔ (مولانا ناظم صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری)
فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچائیں
آخر خدا تعالیٰ نے انہیں آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ حتیٰ کہ جنگ احزاب میں
جو ابو سفیان اتنی عداوت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہی جب ایمان لائے تو جنگ
یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے۔ فرما رہے تھے "لوگو! یہ موقعے
روز روز ہاتھ نہیں آتے۔ آج وقت ہے۔ خوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت
کا ثبوت دو۔ خوب جوش دلا رہے تھے۔ تا آنکہ میدان جیت لیا۔ بہاولپور کے
تاریخی مقدمے میں شہادت کے لئے مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم
سہارنپور بھی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا غایت ادب کرتا تھا۔
خاموش بیٹھے رہتے۔ ایک روز حضرت شاہ صاحب نے کسی صاحب سے فرمایا
مولانا شمس الدین بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں معجم کبیر للطبرانی قلمی ہے۔
وہ مجھے چند یوم کے لئے درکار ہے۔ خواہ وہ صاحب جو مولانا کے کتب خانہ کے مالک ہیں
اول وہاں بیٹھ کر دیکھ لینے دیں۔ یا ہم سے ضمانت لے کر چند ایام کے لئے مستعار

عنایت فرمائیں۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب پہلے ہی چلے گئے۔ اور کتاب لے آئے۔ لاکر پیش خدمت کر دی۔ فرمایا کہ میں اسی وقت چلا گیا تھا۔ ان سے عرض کیا تھا کہ ہمارے حضرت کو کتاب کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بے تامل عنایت فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب پر بے حد اثر ہوا دیر تک اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے یہ تو بڑی عنایت فرمائی" فرماتے رہے۔ پھر کتاب احقر کے حوالے کر دی، اور فرمایا "اس میں سے مجھے کچھ عبارت نقل کر دے" اور نشان لگادئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ قلمی کتابوں میں عموماً اعراب اور نقطے نہیں ہوتے۔ علماء کو پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔ لاؤ میں آپ کو اس کا طریقہ بتاؤں"

پھر میں نے مختلف مقامات سے بہت سی عبارات نقل کر کے پیش کیں۔ تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ کہ اکثر لوگوں کو میں نے کتاب دی۔ مگر غلط ہی نقل کر دی۔ بعض نے صفحات غلط لگادئے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی نئی بات تو نے دیکھی ہے، تو بتلا دے؟ بعض دفعہ کچھ عرض بھی کر دیتا"

ایک دفعہ ایک راوی کی نسبت میں مجھے شبہ ہوا تو دریافت کرنے حضرت کی خدمت میں گیا۔ فوراً فرمایا "سیلحینی" الحمد للہ باب الاستیعاب ہی اس کتاب مستطاب کے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ یا ابو حبیب اللہ امرت سری بھی رات کے وقت بعد عشاء میرے پاس آبیٹھتے کہ میں تیرے ساتھ حضرت کے پاؤں دبا دیا۔ انہوں توفی کے لفظ پر کچھ دریافت کر رہے تھے۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی تو ہو سکتی ہے

فرمایا ہاں "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا" اس میں یہ ہے کہ توفی ہوتی ہے موت واقع نہیں ہوئی۔ جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے۔ سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا "ھو الذی یتوفکم باللیل"

پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان نورالدین شفیع جالندھر پنجاب میں حیات عیسیٰ پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت

جنازہ نکل جاتا ہے۔ بچے یتیم ہو جاتے ہیں، عورت بیوہ ہو جاتی ہے۔ بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے۔ کبھی مدت العمر کھل کھلا کر نہیں ہنسے۔

---

# عید مسلم

(از)

افادات عالیہ حضرت شیخ الاسلام سید المحدثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحب قدس رحمۃ اللہ علیہ

---

علامہ جوہری طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "کہ حامد کی حمد اس کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے" اب اندازہ لگائیے کہ رب العالمین نے بھی قرآن عزیز میں اپنی حمد مختلف عنوانات سے فرمائی ہے۔ مخلوق کو تو اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک پیغمبر برحق جو حمد خدا کر سکتا ہے۔ ایک اُمتی کیا مقابلہ کرے گا جو علوم صحابہ کو عطا فرمائے گئے تھے۔ اس لئے کہ وہ تو اذکیا اُمت تھے۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی کے لئے منتخب فرمایا گیا۔ اگر وہ حمد باری عز اسمہ بیان کریں گے تو انہی کی شایان شان ہوگی۔ اسی طرح دیکھتے جائیے۔ اب ہم تو یہی سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ عید کا دن ایک افضل دن ہے۔ سارے شہر کو باہر کھلے میدان میں نکل کر شکر کے دو نفل ادا کرنے چاہئیں۔ لیکن حجۃ الاسلام سیدنا حضرت محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عید مسلم تبلیغ کا دن ہے ہر شخص جو تکبیر کہتا ہے خدا کی کبریائی کی تبلیغ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عوام اگر جوق در جوق بازاروں میں تکبیرات کہتے پھریں تو منع نہ کرنا چاہیئے۔ کہ عوام میں ترغیب ہوتی ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کا مضمون اسلام کے تمام شعبوں کو حاوی ہے۔ جتنا جتنا غور کرتے جائیں گے۔ آپ پر منکشف ہوتا جائے گا۔

فروغ۔ عقائد۔ تاریخ۔ سیر احکام سبھی پر بصیرت افروز اور ناقدانہ تحقیقی

بحث فرمائی ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی تلاش کر کے خوب اشاعت کی جائے
یہ تبرک حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہے۔ ایک حضرت شاہ صاحب رحمۃ
اللہ علیہ کی تحریر "مہاجر" دیوبند ۱۹۲۸ء میں "الصوم لی وانا اجزی بہ"
پر شائع ہوئی تھی۔ افسوس کہ ہمارے پاس محفوظ تھی لیکن ۴۷ء کے خونی ہنگامہ میں
جب ہم رائفلوں کے سائے میں نکالے گئے۔ تو حضرت کی کتابوں کے ساتھ رائے کوٹ
ضلع لدھیانہ رہ گئی۔ حضرت کی سیرت پاک بھی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تھی۔ بہت سے
خطوط مولانا محمد سلیمان شاہ صاحب برادر خورد حضرت شاہ صاحب کے تھے۔ اب
ہم اس تبرک انوری کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ کہ اس کا افادہ عام
ہو جائے۔ شاید کہ ہمارے لئے ذخیرہ عقبیٰ ثابت ہو۔ آمین!

محمد انوری عفا اللہ عنہ
مکان ۲۲۳۔ سنت پورہ۔ لائل پور
۳۱ر مارچ ۱۹۶۵ء

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے۔ اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و
انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے۔ لیکن شریعت مقدسہ
اور ملت بیضا کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں جو نعماء ربانی اور
کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل وجود پر ادائے نیاز کے لئے کی جاتی ہے۔
دنیا خود فانی ہے۔ اور اس کے باغ و بہار فانی۔ پھر اس پر کیا مسرت و انبساط جس
سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد رنج ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے۔
اس لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے:۔
لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔

عید کی حقیقت اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی سرمدی مسرت
میں مضمر ہے۔ جس کی نسبت اور جس کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہِ صمدیت
سے وابستہ ہے۔ منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے۔ اور اس کا فضل و احسان سرمدی۔
لہٰذا اپنی یہ مسرت و فرحت اور خوشی و انبساط بجا اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور
درست ہے۔ اسی کو رب العالمین نے معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے:۔
قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ یعنی خوشی و مسرت درحقیقت
خدائے قدوس کی رحمت اور اس کے فضل ہی پر کرنا چاہیئے۔

# عید الٰہی

عقیقت بین نظریں اور بہرہ ازمعرفت نگاہیں اس حکمت ربانی سے بے خبر نہیں
ہیں۔ کہ عالم تشریعی کی اساس کہ جس کو عالم امر و نواہی کہنا بہتر ہے بہت کچھ عالم تکوینی
کے مظاہر و شواہد پر قائم کی گئی ہے۔ تاکہ مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہوسکے
اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیر عنوان عید بھی ہے۔ عالم تکوین کی ابتداء
اور اس کا منصۂ شہود میں آنے کے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ
کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت و تعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا
کہ ہم نے ارض و سماوات اور کائنات عالم چھ روز میں پیدا کیا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ
اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اس طرح
روز و شمار بھی اس تکوین عالم سے اخذ کی گئی ہے۔ چھ روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے
کے بعد اس کے سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب العزت نے ساتواں
روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا۔ اور اس کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۔

# استویٰ علی العرش کی مقامی توجیہہ

اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے ۔ اس کے معنی کیا ہیں ۔ اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے محققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے ۔ کیونکہ یہ انہیں امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ " الاستواء معلومٌ والکیفیۃ مجہولٌ " یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے ۔ لیکن علماء متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات و اقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ کے وساوس اور ملحدین و فلاسفہ کی زیغ کو دیکھکر کی ہے تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں ۔ اور انہوں نے اس معجز کلمہ کی تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے ۔ اور اپنی اپنی استعداد عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جد و جہد کی ہے ۔ مناسب مقام اس کے معنی یوں سمجھنے چاہئیں کہ رب العالمین نے ارض و سماوات کو چھ روز میں پیدا کر دیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ اور شاہنشاہیت کے استیلاء و غلبہ کا اظہار فرمایا اور تمام عالم اس کے حیطۂ اقتدار میں محیط ہو گیا ۔ کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض و سماوات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت و سطوت کا اظہار کرنا ہے ۔

## ایک حدیثی نکتہ

تخلیق عالم اور عید الٰہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے ۔ جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض و سماوات کی مدت ستہ ایام

چھ روز قرار دی ہے۔ اور صحاح کی بعض روایات میں ہے۔ کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا۔ پس اگر تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی کو محیط ہو جاتا ہے۔ اور تعطیل (استواء علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا کوئی صورت ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستہ ایام کو صحیح باقی رکھا جاسکے۔ اور استواء کے لئے ایک روز فاضل نکالا جاسکے۔ اس اشکال کے پیدا ہو جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے۔ جس میں کہ تخلیق ارض و سماوات ہوئی ہے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے۔ لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستہ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا تھا۔ بلکہ ایک عرصہ مدیدہ کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور تخلیق ارض و سماوات کے متصل جو جمعہ آتا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے۔ جن حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے۔ ان کے لئے ہماری یہ توجیہہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے کافی ووافی ہے۔

## یوم سبت کی تحقیق

اس ہی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعین و تحقیق ہے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا نام ہے۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں۔ اس لئے خود علماء اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں۔ کہ یوم السبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے۔ اس اشکال کو اس سے اور بھی زیادہ تقویت ہو جاتی ہے۔ کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے

روز کو کہتے ہیں۔

لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جہالت میں دنوں کے نام یہ نہ
تھے۔ جو کہ اب ان کے یہاں مستعمل ہیں۔ کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ موجودہ نام
دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں۔ اور وہی اس کے واضع ہیں۔ چنانچہ کتب تاریخ سے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی کا لفظ ہے۔ جس کا مفہوم
قبل ہے۔ جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے۔ اردو زبان میں ہر عرفہ ہر اسلامی تہوار سے
ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی مفہوم یہود عروبہ کا سمجھتے تھے۔
اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے
عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی رواج پایا۔ اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ
بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ بہر حال جب کہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے
لئے گئے ہیں تو لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں۔ اور اتوار کو اسی لئے انہوں
نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور محاورہ علمائے اسلام کے لئے اس کا
باعث بنا کہ انہوں نے سنیچر ہی کو یوم السبت قرار دیا۔ اور جمعہ کی فضیلت کو صرف
عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور خلاف
تحقیق ہے۔ اس لئے کہ مسند امام شافعی کی روایت میں مذکور ہے۔ کہ استواء علی العرش
جمعہ کے روز ہوا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے۔ کہ تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے
روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی۔ لہذا ان دونوں روایتوں کی بنا پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ
جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغاز تخلیق سنیچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلاشک و
شبہ یوم السبت جمعہ ہی کا نام ہے۔ اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں
ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔
بلکہ آغاز تخلیق عالم ہی سے وہ مفتخر و معزز ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس دن ہی رب
العالمین کے استواء علی العرش کی عید تھی۔

# انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہوئے۔ اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امت مرحومہ کا بھی نصیب زبردست تھا۔ اور ان ہی کی قسمت یاور تھی۔ جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی۔ چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا۔ اس کو دوسری امتوں نے پس نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امم کو اس شرف سے محروم رکھا۔ محدثین نے تو دو توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ در اصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے اجتہاد پر رکھا تھا۔ پس امم سابقہ کا اجتہاد اس برکت کو نہ پاسکا۔ جس کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا۔ اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اول تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور طبعی رغبتوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا۔ اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کو اس بارہ میں تنگ کیا۔ کہ وہ خدا کو کہکر اس دن کو یوم تعطیل نہ رہنے دیں۔ اس لئے وہ اس جنگ و جدل کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دئے گئے۔ اور بالآخر امت مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا سو آ گیا۔ اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

خدائے برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے۔ بطفیل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ نہایت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ اور عید الٰہی کے بانع اور اس کی بارگاہ میں ہر ایک اس کی شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔

# ایام ربّانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی میں جو ستہ ایام کا ذکر کیا ہے۔ آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولہ ہی کے موافق تھی یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے۔ جس کے متعلق محدثین و صوفیائے کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں۔ اور خوب بحثیں کی ہیں۔ اہل عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے۔ اس لیئے کہ وہ درگاہِ صمدیت و بارگاہ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الورا ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تحقیق بھی نسیاً منسیا ہے۔ کیوں کہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے۔ اور حرکت و سکون کی نسبت انہیں اجرام و اجسام کی طرف کی جا سکتی ہے جو ان کا محتاج ہو لیکن خالق حرکت و سکون اور مکوّن زمانہ اور زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار تعالی اللہ علواً کبیراً۔ لہٰذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کاسدہ کی تفہیم کے لیئے ہے۔ اسی لیئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ایام ایام معمولہ ہی کی طرح تھے۔ نہ زیادہ اور نہ کم۔ اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء حسنیٰ کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربّوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ وان یوماً عند ربك كالف سنة مما تعدون۔

## یوم ربوبی کا ایک نکتۂ لطیف

اس لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال ہے۔ کیوں کہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے گذرے ہیں۔ اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور ان کے

مذہب میں اعلیٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سالی تھی۔ اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہوگیا جس کی انتہا دور قیامت پر ہوگی۔ اور یہ سب کرشمے ایام ربوبیت ہی کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں۔ کہ نبی آخرالزماں ساتویں ہزار میں آئے گا۔ اور اس پر ایمان لائیں گے۔ لیکن چونکہ بائیبل کے کل نسخہ کے بارے میں علماء یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے۔ اس لئے وہ اس صحیح حساب کی تشخیص نہ کرسکے۔ اور نبی آخرالزمان پر ایمان نہ لائے۔ بائیبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ پر اعتماد تھا۔ لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ اترا تو اس کو ساقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کرسکا۔ اور یہ قوم اس بارہ میں خاسر ہی رہی۔

## بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء

ایک ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سماویہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے۔ اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔ اور کسی نہ کسی رحمت و فضل الٰہی کے ادائے تشکر میں اس کا راز مضمر ہے۔ اور ہمیشہ اس کا وجود بندگانِ خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں۔ کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا۔ کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے۔ اور فراعنۂ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبراً و قہراً سہا کئے۔ لیکن ظلم و عدوان اور غرور و نخوت کا مظاہرہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ اور انانیت و کبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خواریوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا۔ اور غلامی کی لعنت سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی۔ اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک مظاہرہ کا منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عبد صالح موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے تشرین اول میں قلزم سے پار ہو گئے۔ اور خدائی کا جھوٹا مدعی فرعون کی فرعونیت اپنی لشکر سمیت قلزم کی تہ میں فنا ہوگئی۔ انعام

خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اس ہی بارگاہ کے لئے یوم عاشورہ کی عید ان کے مذہبی میں داخل کی گئی۔ تاکہ اس دن میں روزہ رکھکر بنی اسرائیل نیازمندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں۔ اور اس روز مسرت و شادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سرنیاز جھکائیں۔

## عاشورہ کی تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود بخود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ تشرین اولی یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے۔ جو شمسی نظام پر قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ پھر ہمارے یہاں ۱۰ محرم الحرام کو عاشورہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس دن یہود عاشورہ کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسٰی اور ان کی قوم کی رستگاری پر خوشی کریں۔ اور شکر الٰہی بجا لائیں۔ لہٰذا ہم میں سے جس شخص نے ابھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے۔ اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے۔ کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاول میں ہوا تھا۔ تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہوسکتا ہے۔ لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے۔ اسی لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں۔ ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی۔ اور عاشورہ کو اسی اصول پر مناتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں جو عاشورہ کی تاریخیں اس مرتبہ پر آکر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔

دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھکر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے

ہیں۔ اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورہ کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ ار تاریخ میں لے آئے۔ پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔

تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی۔ جو اپنے نظام پر عاشورہ مناتی تھی۔ اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورہ قائم کرتی تھی۔ اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتناء کے قابل نہیں

# عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی دستاویز میں عاشورہ کی عید مقرر ہوئی۔ اس طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا۔ جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے۔ یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دارومدار اور اس کی تمام اساس قرآن و حدیث رسول پر مبنی ہے۔ رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الٰہی ہے۔ جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا۔

**شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینٰت من الهدیٰ والفرقان۔**

وہ قانون الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا۔ وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی۔ اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی۔ اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصلہ کن اور احکام الٰہیہ کا آخری پیغام ہے۔ رمضان میں نازل ہوا۔ اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری عام ہو گئی۔ پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا۔ اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے۔ لہٰذا فضل و نعمت کے ادائے شکر میں ختم

مہینہ کے بعد اسلام نے ایک دن تمام عوت الٰہی کا مقرر کیا۔ اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا۔ اور اسی کا نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنہوں نے رمضان کے برکات و انوار کو حاصل کیا۔ عید کی حقیقی و ابدی مسرت سے حصہ پایا۔ اور منور ہیں وہ قلوب جنہوں نے ان کے فیض کو اپنی تہ میں جگہ دی۔ اور دائمی سرور و شادمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ یہی شادمانی و سرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد و ھدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتباع ولتکبروا اللہ علی ماھداکم ہماری زبانوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد کہلاتا ہے۔

# اتمام قرآن عزیز

خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بے نظیر مشعل ھدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تیئیس سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا۔ اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیض یاب کرتا رہا۔ آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمہ خیر کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی۔ اور ۹ روزی الحجہ یوم عرفہ کو الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا۔ اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظمؓ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے۔ یہ سنکر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی۔ اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی ہے۔ اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں

بہرحال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے نالی فضل و انعام کے تشکر امتنان میں مخمور و مسرور ہوتا ہے۔ اور دربار خداوندی

میں مسرت و شادمانی کے ساتھ سر نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر، عید الاضحیٰ۔ جمعہ۔ عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں۔ اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے۔ جو بیان ہو چکی یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل و ادیان میں کہ اس کی غمی و خوشی۔ رنج و سرور۔ حزن و مسرت سب خدائے قدوس ہی کے لئے ہے۔ اس کی تمام عیدیں ہزلیات اور خرافات سے پاک اور بری ہیں۔ اور ان کا ہر ہر جزو صرف خدائے قدوس ہی کی یاد سے مملو ہے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً

حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام بالعموم حافظ شیرازی کے طرز پر ہوتا تھا۔ حافظ نے لکھا ہے۔ ؎

شاہد دل ربائے من مے کند از برائے من
نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ؎

در ہمہ سیر و غربتے کشف نہ شد حقیقتے
گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو
گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے
شرح دہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہ ہو
دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ درو حنظلہ بہ حنظلہ جو ز جو

عالم برزخ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے۔ حضرت کا ایک مربعہ نعتیہ ہے۔ جو عقیدۃ الاسلام کے آخر میں لگا ہوا ہے اس کے شروع کے یہ شعر ہیں۔

# مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم

عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم

از سفر واماندہ آخر طالب منزل شدم

کز تگاپو سو بسو شام غریباں در رسید

یہ قصیدہ بہت لمبا ہے۔ ہم نے صرف چار مصرعے درج کئے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

حضرت عثمانی مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے جب ڈابھیل ضلع سورت میں حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کی خبر سنی تو تعزیتی جلسے میں فرمایا ؎

ہوئی مدت کہ دنیا سے میرا دل اٹھ گیا لیکن

ہنوز اک شعلہ یادِ رفتگاں دل سے اٹھتا ہے

ہجوم درد و غم اس دردآگیں دل سے ہے ثابت

ورود کارواں ہو تب دھواں منزل سے اٹھتا ہے

الٰہی فرقتِ مرحوم میں کیونکر بسر ہوگی

نہ دل اٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دل سے اٹھتا ہے

ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تم کو نہیں آتا

ہتیں کیونکر دکھائیں دل میں چھپا دل سے اٹھتا ہے

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۴ صفر ۱۳۵۲ھ

ایک دفعہ ۱۳۴۳ھ میں ترمذی شریف کے درس میں احقر نے سوال کیا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث جو آتی ہے یُصَلّی اَربعاً فلا تسئل عن حُسنِهِنّ وطولهن ثم یصلّی اربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یوتر

بشارت (الحدیث)

میں نے سوال کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ میرا سوال بے محل تھا۔ کیونکہ اس حدیث میں ایک تو فی رمضان وغیرہ ہے۔ حالانکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں ہوتی۔ دوسرے اس میں وتر تین ہیں۔ اور آٹھ تراویح پڑھنے والے وتر تین نہیں پڑھتے۔ تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضورؐ نیند کرتے ہیں وتر پڑھنے سے پہلے جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔ اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو پھر حضرت عائشہؓ کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیونکہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور کے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال معلوم ہوا۔ کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کے متعلق ہے۔

تو حضرت شاہ صاحب نے فوراً فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت نبیؐ ہے یا نہیں۔ جیسا کہ:۔

حدیث یہ ہے۔ فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ مشکوٰۃ۔

اور فرمایا سنو کہ سنت کی تحقیق فی نفسہا ہوتی ہے نہ کہ کسی کے عمل کو دیکھ کر۔ جب یہ بات ہے اور اتنا شدید اختلاف ہے۔ کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبیؐ کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیین کے عمل کو دیکھا جائے گا۔ اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے گا۔ تاکہ اختلاف رفع ہو جائے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فائدہ ۔ کہ خلفاء راشدین مہدیین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ

اور حضرت عثمان ذو النورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔ مجتہدین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن
کو باری تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف۔ اور فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے

وکان القاری یقرء سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بہا فی
اثنا عشر رکعۃ رأی الناس انہ قد خفف۔ رواہ مالک

تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے۔ اور صحابہ کے زمانہ میں اس پہ
عمل درآمد ہوتا تھا۔ اور بھی موطا امام مالکؒ میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ جو صریح طور پہ
بیس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی حضرت
اُبیؓ بھی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ پاک میں بھی اسی
پر عمل ہوتا تھا۔ اور حدیث ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ راوی کہتا ہے حتی خفنا
الفلاح۔ اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پہ کیوں نہیں عمل کیا جاتا۔ کہ حتی خفنا
الفلاح کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا۔ جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور
جا کر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا۔ تو اتنا لمبا پڑھنا
چاہیئے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔

جب روایات متعارض آ رہی ہیں۔ تو کیوں نہ خلفاء راشدین کے تعامل پہ عمل
درآمد کیا جائے۔

(اور حدیث ما انا علیہ واصحابی صاف بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو
کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی۔ والعیاذ باللہ)

صحابہ کرام کے اتباع امت ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت
عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہم کا صاف ارشاد ہے۔ جو مشکوٰۃ اور ابوداؤد شریف میں
مذکور ہے۔ کہ ان کے گہرے علوم سے اور صداقت قلوب سے پھر ان کے تعامل کو جان بوجھ
کر چھوڑنا جائز نہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی صحابہ کرامؓ کے تعامل سے معلوم
ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احبہم فبحبی احبہم فمن ابغضہم فببغضی ابغضہم۔ یہ حدیث ترمذی

شریف میں ہے۔ یہ کتنا بڑا وعید ہے۔ جو حضورؐ نے اپنے صحابہ کے اتباع کے متعلق فرمایا ہے۔ اس پر عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ اس وعید سے ڈرنا چاہیئے۔ خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان سننے کے لئے پنجاب۔ بلوچستان۔ کراچی۔ اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء و فضلاء و رؤساء اور آفیسران ریاست آئے ہوئے تھے۔ انجمن مؤید الاسلام بہاولپور نے جو تمہیدی الفاظ حضرت کے بیان" البیان الازہر" پر لکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حامداً و مصلیاً۔

شیخ الاسلام و المسلمین اسوۃ السلف و قدرۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ اسرارھم کی بلند پایہ ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں۔ آپؒ کو مرزائی فتنے کے در و استیصال کی طرف خاص توجہ تھی۔ حضرت شیخ الجامع مولانا غلام محمد صاحبؒ کا خط شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچا۔ تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا۔ مگر یہ مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا۔ اور ۱۹۔ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ حضرتؒ کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبدالحنان خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیۃ العلماء پنجاب و مولانا محمد صاحب لائل پوری فاضل دیوبند و مولانا زکریا صاحب لدھیانوی وغیرھم بھی تشریف لائے۔ ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات جگہ نہ ملتی اور زائرین معانقہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے۔

۲۵۔ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا۔ عدالت کا کمرہ

امراء اور رؤساء ریاست و علماء کی وجہ سے پر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجودیکہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ سے بیمار تھے۔ اور جسم مبارک بہت ناتوان ہو چکا تھا۔ مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کا کفر و ارتداد اور دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع برہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعاء نبوت و وحی و مدعی نبوت کے کفر ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لیے جو ضمنی مباحث موجود ہیں شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے حیطہ رسائی سے باہر ہے۔ ناظرین بہر اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائیں۔ آمین!

حضرتؒ کا حافظہ اس وقت قابل دید و شنید تھا۔

اس پر مولانا محمد صادقؒ کا بیان ختم ہوا احقر عرض کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تین دن بیان کیا۔ اور دو دن جلال الدین قادیانی نے جرح کی۔ کل بیان پانچ روز ہوا۔ یعنی ۲۵ سے شروع ہو کر ۲۹۔ اگست ۱۹۳۲ء کو ایک بجے ختم ہوا۔ آپؒ نے منجملہ حوالہ جات کے ایک فتویٰ مصری مطبوعہ بھی پڑھ کر سنایا۔ جس میں علماء مصر نے مدعی نبوت پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اس میں مشہور عالم دین علامہ محمد بخیتؒ کا بھی فتویٰ تھا۔ اس پر فرمایا تھا کہ میں علامہ بخیت کو پہچانتا ہوں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا بھی طویل فتویٰ سنایا تھا۔ اور بھوپال کے مفتی اعظم کا بھی فتویٰ سنایا تھا۔ یہ دونوں فتوے مولانا نور احمد صاحبؒ امرتسری کے رسالہ استنکاف المسلمین عن الاختلاط بالمرزائین سے پڑھ کر سنائے تھے۔

نوٹ:۔ اب بعد میں یہیں معلوم ہوا کہ ایک رسالہ اور بھی ہے۔ جس میں مولانا

مولوی امیر علی صاحب مصنف عین الھدایا وغیرہ مدرس اعلیٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ اور مولانا شبلی رحؒ جو اس وقت مدرس ندوۃ العلماء کے تھے۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحؒ کا اور حضرت مولانا عبد الرحیم شاہ رائے پوری صاحبؒ۔ اور حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی صاحبؒ خلیفہ حضرت میاں عبد الرحیمؒ صاحب جو اس وقت حضرت رائے پوری شاہ عبد الرحیمؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ اور ہمارے حضرت عبد القادرؒ کا بھی فتویٰ ہے۔

قادیانی مختار نے کہا تحذیر الناس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ فرمایا جج صاحب لکھئے:۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے الہامی مضمون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل و براہین ساطعہ بیان فرمائے ہیں۔ اور اثر عبد اللہ بن عباسؓ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ ان لوگوں پر حیرت ہے جو تحذیر الناس کو بغور اول تا سیحاب دیکھتے نہیں۔ اس رسالہ میں جا بجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے۔ رسالہ کے صفحہ دس کی عبارت میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے۔ ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی او کما قال جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس بات میں کافی ہے۔ کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔ گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا۔ جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے۔ ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا اقرار ہے نیز

مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے۔ نیز آب حیات، قاسم العلوم، انتصار الاسلام وغیرہا
کتب مصنفہ حضرت نانوتویؒ دیکھنا چاہیئے۔ حضرت مولانا مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔ ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا خاتمیت ذاتی کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف
بالذات ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپؐ کے واسطے سے جیساکہ
عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر
وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہیں۔ یہی حال وصف نبوت کا ہے۔ حضور نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متصف بالذات اور اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو سب سے پہلے نبوت ملی۔ حدیث میں ہے۔ کنت نبیا و آدم منجدل بین
الماء والطین۔ اور دوسرے حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور کے واسطہ
سے متصف بالنبوۃ ہوئے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ لو کان موسیٰ حیا لما
وسعہ الا اتباعی۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر
چارہ نہ ہوتا۔

پارہ ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے۔ واذا اخذ اللہ میثاق
النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما
معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ۔ الایۃ۔

اس آیت سے صاف واضح ہے۔ کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیساکہ اس
امت کے رسول ہیں۔ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء علیہم کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
لانے اور مدد کرنے کا عہد وپیمان لیا گیا۔ آیت میں ثم جاءکم فرما کر تصریح فرما دی گئی۔
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

آیت میثاق ذرہ زے ثم است
این ہمہ از مقتضائے ختم است

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے۔ اس واسطے علی فترة من الرسل الآیة
فرمایا۔ حدیث میں ہے انا دعوة ابی ابراھیم میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہم
السلام کی دعا ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارات
دیتے آئے۔ چنانچہ توراۃ شریف، انجیل شریف و دیگر صحف باوجود تحریف لفظی و معنوی
ہوجانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں۔ جو حضور کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی
ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لاکر اتباع شریعت محمدیہ کرنا اسی فضیلت
اور خاتمیت کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کرکے
امام کا منتظر رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اسی امر کی صراحت کرتا ہے۔
واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا الآیة ۔ بھی اسی کی طرف مشیر ہے
کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ اور ابن
حبیب عبداللہ ابن عباس سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی لا اتفاق)
اور انا خطیبهم اذا انصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمدیہ
کا اعلان کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اختتام ہوا۔ اور پہلے
انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا۔ تاکہ بطور نمائندہ سب کی
جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کریں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب
ہوا اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ اور سلسلۂ اسحاقی اور اسمٰعیلی کو جوڑ
دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین امور کا اعلان فرمایا

(۱) یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم ۔ اے بنی اسرائیل
میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہوکر آیا ہوں۔ دوسری جگہ آل عمران میں ورسولا
الی بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے۔ صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بناکر بھیجے گئے

(۲) مصدقا لما بین یدی من التوراۃ (۳) ومبشرا برسول
یاتی من بعدی اسمه احمد ۔ میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے
آیا ہوں۔ جو میرے بعد مبعوث ہوں گے۔ ان کا نام احمد ہے۔ قرآن عزیز اعلان کرتا ہے

کہ وہ نبی برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا اور بشارات دی گئی تھیں، آچکا

جاء بالحق وصدق المرسلین۔ حدیث شریف میں ہے انی اولی الناس بعیسی بن مریم الحدیث۔ مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت تمام لوگوں کے۔ اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولو العزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے۔ فضیلت محمدیہ کو دنیا پر انشکاف کر دینا منظور ہے۔ آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقے میں چلا جاتے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہوں گے۔ لیکن بہ حیثیت حکماً عدلاً تشریف آوری ہوگی۔ بطور حج منٹ فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی۔ لہذا اہل کتاب کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے۔ ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلّم ہو۔ ہماری کتابیں عقیدۃ الاسلام تحیۃ الاسلام المصریح بما تواتر فی نزول المسیح اس باب میں دیکھنا چاہیئے۔

دوم خاتمیت زمانی یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔

ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ بدئی بی الخلق وکنت آخرھم فی البعث واخرج جماعۃ عن الحسن عن ابی ھریرۃ مرفوعاً کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث کذا فی روح المعانی ص۱۱ ج۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضورؐ سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجت مانا ہے۔

اور اس کے منکر پر لعنت کا اعلان کیا ہے۔ انجام آتھم ص ۱۴۴۔ مرزا صاحب نے کفار کے تواتر کو بھی حجۃ مانا ہے۔ پھر جائیکہ تمام امت محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ کو (تریاق القلوب) حضرت نانوتوی نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے۔ یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔ وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے۔ اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں۔ اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر سے فرمایا کہ ابی کی شرح مسلم شریف نکالو۔ چنانچہ ص ۲۲۶ ج ۱ مطبوعہ مصر سے ذیل کی عبارت پڑھکر سنائی۔

و فی العتبیۃ قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامۃ الصلوٰۃ فتغشاهم غمامۃ فاذا عیسیٰ قد نزل الخ۔

عتبیہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا در انحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے۔ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا۔ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ امام مالک کا بھی وہی عقیدہ ہے۔ جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے۔ کوئی تیس اکتیس صحابہ احادیث نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں۔ تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے۔ امام ترمذیؒ نے پندرہ ۱۵ صحابہ گنوائے ہیں۔ ہم نے مزید پندرہ کا اضافہ کیا۔ چنانچہ مسند احمد و کنزل العمال و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ ہمارا رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماء بریلوی علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ اور علماء دیوبند علماء بریلوی پر۔

ارشاد فرمایا کہ جج صاحب! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گذارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علماء دیوبند اور علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے۔ قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہاء حنفیہؒ نے تصریحات فرمائی ہیں۔ کہ اگر کوئی مسلمان کلمۂ کفر کسی

شبہ کی بنا پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو رد المحتار و بحر الرائق۔

بہاولپور سے واپسی پر ریل گاڑی میں احقر نے عرض کیا کہ سلطان پور لودھی ضلع کپورتھلہ میں حیات عیسٰی علیہ السلام پر میرا مناظرہ مرزائیوں سے ہوا میں نے منجملہ دلائل کے ایک یہ آیت بھی پیش کی تھی۔

قل فمن یملك من اللہ شیأ ان اراد ان یھلك المسیح بن مریم و امہ و من فی الارض جمیعًا۔

اس پر وہ مرزائی کہنے لگا کہ دیکھو دیکھو اس نے کیا کہہ دیا۔ اس میں تو امہٗ کا لفظ بھی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ آیت پاک بتلاتی ہے۔ کہ اللہ تعالٰی نے ابھی تک عیسٰی علیہ السلام کے مارنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ کیونکہ فرمایا۔ ان اراد ان یھلك المسیح بن مریم امۃ تو موت تو در کنار ابھی تک تو اللہ تعالٰی نے ارادہ بھی نہیں فرمایا۔ اور عرض کیا کہ ومن فی الارض جمیعًا بھی تو ہے۔ کیا قیامت آگئی و من فی الارض جمیعًا مر گئے۔ جب سارے مر گئے تو اس وقت عیسٰی علیہ السلام بھی انتقال فرمائیں گے۔ رہا امہٗ کا لفظ سو اس میں کیا حرج ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام کی والدہ ابھی تک زندہ ہیں کوئی کفر ہے؟ اس پر بہت مسکرائے۔ فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کیا۔ دیکھو میں بیان کرتا ہوں سنو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باری تعالٰی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مارنے کا ارادہ کر لیں۔ تو کون روک سکتا ہے۔ خواہ من فی الارض جمیعا ہوں خواہ ان کی والدہ بھی ساتھ ہوں۔ کوئی نہیں روک سکتا اس سے معلوم ہوا کہ وامہ مفعول معہٗ واقع ہوا ہے اپنے ماقبل سے مفعول معہٗ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا کوئی شرط نہیں۔ جیسے استوی الماءُ والخشبۃَ۔ استوی کا کام فقط پانی نے کیا لکڑی نے نہیں کیا۔ لکڑی تو ایک جگہ گاڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پانی چڑھتا ہے۔ جب پانی لکڑی کے سرے پر آ جاتا ہے تو عرب والے بولتے ہیں۔ استوی الماء والخشبۃ والخشبۃ مفعول معہ واقع ہوا ہے اب دوسری مثال جیسے سرت والنیل یہاں والنیل بھی مفعول معہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اگر واؤ جمع کے لئے ہوتی تو سرت و جری النیل ہوتا۔ کیونکہ پانی کا کام جری یافتہ ہے

نہ کہ اس پانی کا کام سیر کرنا اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ میں نے سیر کی۔ مع النیل کے یعنی میں نے نیل کے کنارے کنارے سیر کی۔

تیسری مثال کونوا انتم و بنی ابیکم مکان الکلیتین من الطحال یعنی تم اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ یوں ہو جاؤ جیسے گردے تلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یک جان ہو کر رہو یہاں و بنی ابیکم مفعول معہ واقع ہوا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ تم ہو جاؤ اور تمہارے چچازاد بھائی ہو جائیں۔

چوتھی مثال مات زیدٌ و طلوع الشمس مطلب یہ ہے کہ زید مر گیا سورج کے نکلنے کے وقت۔ یہ مطلب نہیں کہ زید مر گیا اور طلوع شمس بھی مر گیا۔ غرض اس طرح بہت طویل تقریر فرمائی بہت سی آیات اور بہت سے اشعار پیش فرمائے۔

نوٹ :۔ میں اپنے بچوں کو ایک دفعہ متممہ آجرومیہ پڑھا رہا تھا۔ مفعول معہ کے بیان میں اس میں یہ سب امثلہ موجود ہیں۔ اور اشمونی میں بھی اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ کا ایک رسالہ نحو کا ہے۔ اس میں بھی ہے۔ متممہ آجرومیہ میں یہ کمال ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی مثال میں قرآن اور حدیث کو پیش فرماتے جاتے ہیں۔ آجومی کہتے ہیں حبشی زبان میں صوفی کو۔

(۱) حضرت مولانا حجۃ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحبؒ فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے۔ جس میں آدمی کی پناہ دین سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

(۲) اِنَّ فِی ذَالِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ

اس میں بڑی یادداشت ہے۔ اور نصیحت ہے۔ جس کا دل ہو کان لگائے۔ اور وہ حاضر الحواس ہو۔ شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مُغفّل نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحبؒ سیکروڈوی کو یہ فرما رہے تھے کہ دیکھنا مُغفّل نہ بننا۔

(۳) اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ

اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے۔ اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں۔ اور نیک عمل کو

باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں۔ کیوں کہ پاک کلمات جو اس کا کلام ہے اس کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے۔ اس کو جب قبول فرماتے ہیں۔ تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں۔

(۴) اذا غلا و اشتدّ۔ جو فقہا شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے۔ جب کہ جوش مارا اور تیز ہوا۔

(۵) ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے۔ وہ بدیہی ہے۔ جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں۔ وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے۔ ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے۔ وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔ انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں۔ سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھکر سنائی۔ فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں۔ اور تم سُلّم کی عبارت سُناتے ہو۔

(۶) حلول کے معنی ہیں گھس جانا۔ خواہ حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔

(۷) فرمایا کہ فلاسفۂ یونان نے جسم کے معنی کئے ہیں۔ قابل للابعاد ثلاثہ اور جسم کہتے ہیں۔ جو ہیولا اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو۔ قابل للابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور ہیولہ پر صادق نہیں آتی۔ اور صدر الدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں۔ لہٰذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے۔ اور وہ تحریر بہت لمبی ہے۔ میں نے دکھلایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا۔ اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ میری تحریر امام غزالی سے زیادہ محقق ہے۔

(۸) جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتابیں طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیا۔ اور ان کا امام غزالی پر ردّ دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا۔ لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایت المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

(۹) فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ فرمایا کہ نیوٹن کی میں نے پندرہ تصانیف دیکھی ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں ضرب الخاتم علی حدوث العالم اور مرقاۃ الطارم اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا۔ پھر اقبال نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی۔ اور اس نے بہت سے خطوط لکھکر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ضرب الخاتم کو اقبال سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی بھی نہیں سمجھ سکا۔

(۱۰) ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاولپور میں فرمایا۔ کہ ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا۔ غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان کہ زمان کیا ہے۔ اور مکان کیا ہے اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ ھیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے لیا ہے۔ اس کی اپنی تحقیق نہیں۔ یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخبارات میں بیانات دئیے۔ یہ قصہ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر اقبالؒ نے خطبۂ صدارت سنایا تھا۔ بھی سنایا تھا۔

(۱۱) دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنۂ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی۔ اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا۔ اس جلسہ میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے۔ اور حیدرآباد سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں تمام پروفیسر حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبانی سن کر حیران رہ گئے۔

(۱۲) مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا۔ تو ہمارا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ تشریف لائے اور میرا مشکوٰۃ شریف میں امتحان لیا۔ اور یہ حدیث سُنی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے۔ اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

(۱۳) ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارن پور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لائے۔ جب حضرتؒ چلنے لگے تو میں نے حضرتؒ کا سامان اٹھا لیا۔ اور اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ اس وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے۔ میں اس وقت مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں۔ اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ ہم اکثر حضرتؒ کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے۔ جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرتؒ کو بٹھاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی شہسوار تھے۔ اور نشانہ خوب لگاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھچوایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ یہ مصالحے استعمال کرتے ہو۔ وہ فوٹو گرافر حیران رہ گیا

(۱۴) ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں۔ ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔ غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبد القادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ شاہ صاحبؒ تو آیاتٌ من آیات اللہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

جس روز بہاولپور پہنچے اس کے دوسرے روز حضرت مولانا خاتم المحدثین مولانا انور شاہ صاحبؒ کی خدمت میں علماء جمع ہوئے۔ جن میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب سہارن پوری اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارن پوری اور احقر بھی شامل تھا۔ اگلے دن چونکہ مولانا محمد شفیع صاحب کی شہادت تھی اس لئے مشورہ ہوا کہ شہادت میں بیان کس طرح دیا جائے۔ مولانا اسعد اللہ صاحب

اور احقر محمد لائلپوری عفا اللہ عنہ کو حضرت شاہ صاحبؒ نے تجویز فرمایا۔ کہ بطور مختار مقدمہ کام کریں۔ مدعیہ کی طرف سے ہم دونوں مختار مقرر ہوئے۔ اور ہم نے اس کام کو بزرگوں کے زیر سایہ بحمد اللہ نبھایا۔ میں نے اس مجلس میں عرض کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے انجام آتھم میں لکھا ہے کہ جس شخص نے کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کیا تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے رسول کی لعنت اور اس کے فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت جو ایک اجماعی عقیدہ ہے اس کا انکار کیا۔ اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی ہے اس نے خود ہی عیسیٰ بننے کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان پر اعتماد کرنا بھی اجماعی عقیدہ ہے۔ چنانچہ علماء نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔ کہ توہین انبیاء علیہم السلام العیاذ باللہ توہین کرنا تو کفر ہے۔ چنانچہ الصارم المسلول میں حافظ ابن تیمیہؒ نے قرآن اور حدیث اور بے شمار علماء کی کتابوں سے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے۔ میں نے جب یہ بات کی تو حضرت شاہ صاحبؒ اس کو غور سے سنتے رہے۔ پھر اگلے دن صبح کو میرے پاس مفتی محمد شفیع صاحب تشریف لائے۔ کہ وہ عبارت کہاں ہے۔ میں نے نکال کر پہلے تو اپنی بیاض میں سے دکھایا۔ پھر اصل کتاب میں سے۔ وہ عبارت نکالی۔ جب کچہری کو چلے گئے تو میرے پاس کچہری میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ تشریف لائے۔ کہ وہ عبارت جو تو نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے پڑھی تھی۔ وہ مجھے دکھا۔ پھر میں نے اپنی بیاض میں سے ان کو وہ عبارت لکھوا دی۔ اور اصل کتاب سے بھی دکھا دی۔ پھر تو حضرت شاہ صاحبؒ ہر مشورے میں احقر کو بلاتے تھے۔ اور بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

مولانا محمد شفیع صاحب کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کا بیان ہوا حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان دیا۔ احقر اس خدمت پر مامور تھا کہ کتابوں سے عبارات اور حوالہ جات نکال کر حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے رکھتا تھا۔ یہ میں نے حضرتؒ کی بڑی کرامت دیکھی جس کتاب کے متعلق فرماتے تھے کہ فلاں کتاب سے یہ عبارت نکالو تو میں فوراً نکال کر دکھا دیتا تھا۔ اور حضرت اس عبارت کو پڑھکر جج صاحب سے لکھوا دیتے تھے۔ درمیان میں

قادیانی مختار مقدمہ نے کہا کہ آپ حوالہ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا۔ پھر فرمایا کہ جج صاحب انہوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق ۱۳۳۶ ہجری میں جب حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے۔ تو آپ فرماتے تھے۔ کہ فرمائیے غریب پرور۔

ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا۔ کہ ۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے۔ اور ہم اس میں غالب رہے ہے۔ یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا۔ مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا۔ ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آکر سُنا کہ مرزا صاحب تو قادیاں سے لاہور آکر کل ہیضے سے چل دئے۔ خیر ہم تو غالب ہی رہے

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نخستیں مے کہ اندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند

حضرت شاہ صاحبؒ آئے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا۔ ؎

ز دریائے عما موج ارادہ
حباب انگیخت حادث نام کردند

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ قال ان بلالاً رای فی منامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لہ ما ھذہ الجفوۃ یا بلال اما ان لک ان تزورنی یا بلال فانتبہ حزیناً وجلاً خائفاً فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن والحسین رضی اللہ

عنهما فجعل يضمهما و يقبلهما فقالا له نشتهي نسمع اذانك الذي
كنت تؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد ففعل
فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذي كان يقف فيه فلما أن
قال الله اكبر الله اكبر ارتج المدينه فلما ان قال اشهد ان
لا اله الا الله ازداد رجتها فلما ان قال اشهد ان محمد رسول
الله خرجت العواتق من خدورهن وقالوا أبعث رسول الله
صلى الله عليه وسلم فما رأى يوما اكثر باكيا ولا باكية
بالمدينه بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذالك
اليوم رواه ابن عساكر وقال التقي سبكي اسناده جيد۔

فرمایا کرتے تھے، کہ یہ حدیث آثار السنن جلد ۲ کے آخر میں بھی ہے اور ابن عساکر
کا حوالہ دیا ہے۔ اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے۔ اور اس کو امام احمد بن حنبل
رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی لیا ہے۔ اور لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ
نے ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمے میں بھی
لکھا ہے۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کے علاقے میں ایک رات سوئے ہوئے
تھے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے۔ کہ اے بلال تم نے کیا جفا
کاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے۔ پس حضرت بلال جاگے۔ گھبرا کر اپنی اونٹنی پہ مدینے
شریف کا رخ کیا۔ جب مدینہ تشریف لائے روضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ حاضر
ہوئے تو سلام عرض کیا۔ تو حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بلال کو ملے۔ حضرت بلال نے
دونوں سے معانقہ فرمایا۔ اور دونوں کو بدن سے چمٹا لیا۔ اور پیار کیا۔ ان دونوں نے
فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں۔ تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا۔ جب اشہد ان لا
الہ الا اللہ فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا۔ اور جب آپ نے اشہد ان محمد

رسول اللہ فرمایا تو تمام مدینہ میں چیخ و پکار پڑ گئی۔ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے۔

---

# مکتوب حبشہ (افریقہ)

از عدلیس آبابا حبشہ (ایتھوپیا)

بنام مولانا محمد انوری صاحب!

یارب صلّ وسلّم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

بزرگوارم جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پروردگار ذوالجلال سے قوی امید ہے کہ جناب کی طبیعت باعافیت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کی شفقت کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے۔ آمین! تمام وقت آپ کی صحت عاجلہ مستمرہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ ہم آپ کی دعا سے روانہ ہو کر کچھ دن رائے ونڈ اور کچھ دن میوات میں گذار کر بخریت کراچی پہنچے۔ قانون اور ضابطہ کی تمام مشکلات درپیش تھیں، جس کو سورت یٰسین کا روزانہ ختم اور صلوٰۃ الحاجۃ سے حل کرایا گیا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ خود حاضر خدمت ہو کر عرض کریں گے۔

بہر حال پاسپورٹ، کرنسی، سعودی عرب کا ویزہ، بچاس سال عمر کا مسئلہ اور سفینہ حجاج میں سیٹوں کا ملنا۔ پھر ایک آدمی کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ عشرہ انفار کا مسئلہ۔ اللہ پاک کے نام کی برکت سے نہ ہونے والے کام بھی ہو گئے۔ سفینہ حجاج پر سوار ہو کر حاجیوں میں خوب محنت کرتے ہوئے اذانوں اور جماعتوں تعلیموں اور گشتوں اور ذکر اذکار کی پابندی۔ تہجد کا اہتمام اللہ کی توفیق سے کرتے ہوئے بخیریت، جدہ شریف پہنچے۔ جدہ میں مولانا سعید خان صاحب، حضرت فریدی صاحب اور بھائی سردار صاحب و دیگر حضرات موجود تھے۔ مشورہ سے طے پایا کہ چونکہ حاجی حضرات کا حکومت نے پہلے مدینہ

منورہ جانا طے کیا ہے۔ اس لئے ان حاجیوں ہی میں کام کرتے ہوئے پہلے مدینہ پاک میں، روضہ مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل کی جائے۔ بذریعہ بس مدینۃ الرسول کو روانگی ہوئی۔ نماز عصر مسجد نبوی میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد شوق اور جذبے کے ساتھ انتہائی شرمندگی اور ندامت کی سی کیفیت میں ڈوبے ہوئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے بارگاہِ رسالت میں ھدیہ صلوٰۃ والسلام پیش کیا گیا۔ امسال حاضری چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے مسجد نبوی کے باہر تمام راستے۔ محلے اور گلیوں تک نمازیوں سے بھر جاتے تھے۔ مدینہ پاک میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اور دیگر بزرگوں اور علماء کرام کی خدمت میں بھی دعاؤں کے لئے حاضری ہوئی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کی خدمت میں بھی دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ ان ایام میں افریقہ۔ انگلینڈ۔ ترکی، مراکش۔ امریکہ۔ افغانستان۔ ہندوستان ایران، سوڈان۔ شام، مصر، حبشہ، فرانس۔ زیکوسلاویکیہ۔ انڈونیشیا۔ ملائشیا، فلپائن الجزائر، سمالی لینڈ و دیگر کئی ملکوں سے فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے زائرین آئے ہوئے تھے۔ مسجد نبوی میں صبح ناشتہ کے بعد روزانہ ایک یا دو ملکوں کے اجتماع ہوتے۔ اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت والی محنت کی طرف متوجہ کیا جاتا۔

الحمدللہ اجتماعات بہت کامیاب ہوئے۔ بہت سارے ملکوں کے لوگوں نے اس مبارک کام سے بہت ہی کافی تعارف بنایا۔ مختلف ملکوں کے یعنی حبشہ۔ سوڈان الجزائر اور نائیجیریا اور ملک کے علماء اور عوام میں سے بڑے لوگوں کو زیادہ قریب پایا۔ بہت متاثر ہوئے۔ اپنے اپنے ملک میں کام کرنے اور جماعتوں کی نصرت کے ارادے کئے۔ ایک جماعت انگلینڈ سے بائیس ۲۲ نفر کی سٹیشن ویگن کاروں کے ذریعہ روڈ پہنچی اور دیگر تبلیغی کام کرنے والے بذریعہ ہوائی جہاز آئے۔ اس بائیس آدمیوں کی جماعت نے واپسی پر درمیان میں پڑنے والے ملکوں میں کام کرتے ہوئے جانے کا ارادہ فرمایا۔ الحمدللہ عجیب فضا بنی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انڈیا سے بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جناب گرامی قدر کا ھدیہ صلوٰۃ والسلام بارگاہِ نبوّت میں

بصد ادب پیش کر دیا گیا۔ اگر جناب ارشاد فرمائیں تو واپسی پر دوبارہ حاضری نصیب ہونے پر جناب کی طرف سے ہدیہ سلام پیش خدمت رسالت مآب کیا جائے۔ ہماری جماعت چھ نفری کی حضرت مولانا جلیل احمد کی معیت میں چل رہی ہے۔ جو کہ پہلے ایک سال حبشہ جا چکے ہیں۔ بھائی سردار احمد صاحب لائل پوری سے ملاقات ہوئی۔ بخیریت ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ قریباً دس یوم کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی۔ حج کے ایام قریب تھے۔ بیت اللہ پر حاضری ہوئی۔
انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی۔ حج کا سفر بہت اچھا گذرا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین!
بذریعہ بحری جہاز مورخہ ۱۶ $\frac{4}{62}$ کو ہماری جماعت جدہ سے حبشہ روانہ ہوئی۔ دو دن ایک رات کے بعد ہم حبشہ کی بندرگاہ مسوا پر جا اترے۔ وہاں سے بذریعہ ریل کار بہت اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے حبشہ کے بہت بڑے خوبصورت شہر سمرا پہنچے۔ وہاں پر جامع عبد القادر میں کچھ یوم قیام کیا۔ وہاں سے پھر غریب محلوں کی مسجدوں میں غرباء میں کام شروع کیا۔ بڑی محبت سے دین اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے بابت خوب جم کر سنتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد اشراق تک اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک اجتماعی ذکر بالجہر کرتے ہیں۔ تقریباً ہر مسجد میں یہی معمول ہے۔ غربت اور سادگی بہت زیادہ ہے۔ کچھ دن یہاں گذار کر اب ہماری جماعت بذریعہ بس سفر کرتی ہوئی قریہ قریہ آخرت کی آواز اور حضور کی دینی زندگی کی طرف متوجہ کرتی ہوئی ادیس آبابا پہنچی۔ یہ بھی بہت بڑا مرکزی شہر ہے۔ راستہ میں حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک بھی ایک بستی میں آئی۔ مزار بنا ہوا ہے۔ قریباً پندرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ بہت سکون تھا۔ فاتحہ پڑھی گئی۔ اور دعائیں مانگی گئیں۔
شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے ہجرت صحابہ کرامؓ کی اسی ملک میں ہوئی اور حضرت مائی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں پڑھا گیا۔ اور

خوب ہدیئے اور خوشبو وغیرہ دے کر اور حق مہر خود ادا کر کے مائی صاحبہ کی رخصتی یہیں سے ہوئی۔ اور حضرت بلالؓ کی بھی اسی ملک سے نسبت ہے۔ آپ کی دعاؤں کی برکت سے ساتھی ذکر خوب پابندی سے کرتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن پاک بھی خوب ہوتی ہے راتوں کو اٹھنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ ساتھیوں کا آپس میں خوب جوڑ ہے۔ موسم سرد خشک ہے۔ رات کو لحاف کے اندر سوتے ہیں۔ پانی کی قلت ہے۔ علاقہ خوب سرسبز ہے۔ سوائے پہاڑوں کے میدانی علاقہ بہت ہی کم ہے۔ لکڑی بہت زیادہ ہے مٹی بہت کم ہے۔ کئی جگہ تو مٹی کم ہونے کی وجہ سے جانوروں کے گوبر سے مکان باہر سے لپے ہوئے ہیں۔ سبزیوں میں ٹماٹر۔ آلو۔ سبز مرچ ہے۔ بس انڈے ایک ڈالر کے بیس پچیس ملتے ہیں۔ ایک ڈالر کے دو ریال سعودی کا ہے۔ مویشی کثرت سے ہیں۔ دنبہ یا بکرا چھ سات سیر وزن کا پانچ چھ روپے میں مل جاتا ہے۔

بڑے شہروں میں کاروبار تو یمن کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یا ہندوستان کے ہندوؤں کے ہاتھ میں۔

الحمد للہ یہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں بھی حاضری ہو رہی ہے۔ مل کر بہت خوش ہوتے اور بہت شفقت فرماتے ہیں۔ ان تمام شہروں میں شہر سمرا بہت خوبصورت شہر ہے۔ سنا ہے کہ یہاں ملکہ بلقیس کا پایہ تخت تھا۔ جس کی ہد ہد نے خبر دی تھی۔ امید ہے کہ انشاء اللہ ایک مہینہ کے قریب واپسی تک ہمارا وقت اور لگے گا اس کے بعد واپسی مکہ معظمہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگی۔ کچھ روز حرمین شریفین میں لگا کر براستہ ریاض کویت سے جہاز پر سوار ہو کر انشاء اللہ کراچی پہنچیں گے۔ آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ اپنی خصوصی دعاؤں میں ہم نا اہلوں کو یاد رکھیں۔ اللہ پاک ہمارے اللہ کے راستے میں نکلنے کو قبول فرما کر ہماری اصلاح اور تمام عالم کے لئے ھدایت اور رشد کے فیصلے فرماویں۔ آمین!

مکرر عرض ہے کہ مراسلہ نگار کو شاید یہ یاد نہیں رہا یہ بات غلام یٰسین صاحب نے جو پہلے حبشہ ہو آئے ہیں کئی بار ذکر کی۔ کہ غالباً سمرا شہر میں مولانا محمد صالح کا مزار ہے

ایک وہاں کے مولوی صاحب نے مزار کی زیارت کرائی ہے۔ ذکر کیا کہ مولانا محمد صالحؒ دس سال دارالعلوم دیوبند پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حدیث پڑھی اور کئی سال حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کی۔ غلام یٰسین صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا محمد صالحؒ کے وارثوں کے پاس وہ سندات بھی ہیں۔ جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے لکھکر دی تھیں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی لکھی ہوئی سند جو حضرت شاہ صاحب کو دی تھی وہ بھی ان کے پاس تھی (یعنی مولانا محمد صالحؒ کے پاس) اور حضرت مولانا محمد صالح صاحبؒ نے جو پہلے شافعی المذہب تھے۔ حنفی المذہب ہو گئے۔ پھر وہاں سے واپس آکر اپنے ملک میں اس مذہب کی تبلیغ کی۔ کوئی تیس میل کا علاقہ بقول محمد یٰسین صاحب ایسا ہے جہاں حنفی المذہب لوگ آباد ہیں۔ وہاں اس مذہب کے مدرسے بھی ہیں۔ مولانا محمد صالح صاحبؒ نے یہ بھی کیا کہ علماء دیوبند کا لباس اور رکھانا یہ بھی وہاں رائج کیا۔

وہ لوگ دیوبند کے ساتھ بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ کتابیں حنفی المذہب کی پڑھائی جاتی ہیں۔ اب بھی وہاں ایسے مدارس موجود ہیں۔ مولانا محمد صالح صاحبؒ کا تو وصال ہو گیا لیکن ان کے شاگردوں اور وارثین کی کوشش سے مدارس اب بھی جاری ہیں۔ مولانا محمد صالحؒ صاحب کے وصال کو بیس پچیس سال ہو چکے۔

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ما انا قلت کی جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے ما انا حملتکم ہے۔ بخاری ص۹۹۴ ج ۲

حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ فرماتے ہیں۔ اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رھط من الاشعریین استحملہ۔ الحدیث۔ من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء وقولہ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ معلوم ہوا اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص۹۷۹ جلد ۲۔

قادیانی نے بہاول پور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کرا دیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً جواب دیا کہ جج صاحب لکھئے۔ کہ ابن صیاد نابالغ تھا۔ نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔ یا یہ دن تھے یہود کے ساتھ معاہدے کے۔ چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھکر سنائی۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ ۱۲ میں ص ۹۷۹ جلد ۲ پر لکھتے ہیں لانه كان غير بالغ

بیرحیٰ فیه وجوه بفتح الموحدة والراء وسكون التحتانية بينهما دبالمهملة مقصورا۔ (کرمانی) بخاری ص ۹۹۲ ج ۲ حاشیہ ع

مولانا محفوظ علی صاحب سناتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال پر جب مئی ۱۹۳۳ء میں میں جب دیوبند حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم سناتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بلایا کہ اپنی بہن سے تو کہدے کہ اپنی بچی کے پاؤں سے پازیبیں نکال دے۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ سنایا کہ وہ بچی (حضرت شاہ صاحب کی بچی چھ سال کی تھی) میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے۔ اور پازیبوں میں باجا کچھ نہیں ہے۔ ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۲۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے۔

قال علی بن سهل بن الزبير اخبره ان مولاةً لهم ذهبت بابن الزبير الى عمر بن الخطاب فی رجلها اجراس فقطعها عمر ثم قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ان مع کل جرس شیطانا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اتقاء دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے تو وہ پازیبیں نکالی تھیں جس میں باجا تھا۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔

مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے۔ وہ حدیث یہ ہے:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال أتدرون ما المفلس قالوا المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع فقال إن المفلس من امتي من ياتي يوم القيامة بصلوٰة وصيام وزكوٰة ویاتی قد شتم هذا و قذف هذا واكل مال هذا و سفك دم هذا وضرب هذا فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضى ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار

(مسلم شریف جلد ثانی ص۳۲۰ مطبوعہ دہلی)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے۔ جس نے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے۔ وہ غلط سمجھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بڑی عمدہ تقریر (صیام کے متعلق) تھی۔ جو کسی زمانے میں "مہاجر" میں چھپی تھی۔ فیض الباری میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے۔ ہمارے پاس یہ تقریر محفوظ تھی۔ مگر افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامے میں وہ رائے کوٹ ہی رہ گئی۔

فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھے کہنے لگا کہ شاہ صاحب ہمارا بھی اس قرآن پر ایمان ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے: "ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه" میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے۔ جس میں یہ ہے۔ "ومن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا او قال اوحي الىّ ولم يوح اليه شئ" یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی لہٰذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی۔ پس میں مسیح ابن مریم ہوں۔ میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہٰذا وہ دجال ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# قصیدہ معراجیہ

از حضرت خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز

---

تبارک من اسریٰ وعلیٰ بعبدہٖ      الی المسجد الاقصیٰ الی الافق الاعلیٰ

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کو رات مسجد اقصیٰ تک اور افق اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا

فتح الباری جلد ۷ مصری ص۱۴۶ - وفی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما عند احمد فلما اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسجد الاقصیٰ قام یصلی فاذا النبیون اجمعون یصلون معہ

الیٰ سبع اطباق الیٰ سدرۃ کذا      الیٰ رفرف ابہیٰ الیٰ نزلۃ اخریٰ

ساتوں آسمانوں تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک      خوبصورت رفرف تک اور نزلۃ اخریٰ تک ایسے ہی سیر کرائی۔

وسویٰ لہٗ من حفلۃ ملکیۃ      لیشہد من آیات نعمتہ الکبریٰ

اور فرشتوں کی ایک جماعت آپکے ساتھ تھی      تاکہ آپ مشاہدہ کریں باریتعالیٰ کی نعمۃ الکبریٰ کی آیات کا

زرقانی جلد ۶ شرح مواہب اللدنیہ مصری ص۵ - فی حدیث ابی سعید عند البیہقی فی ذکر الانبیاء الیٰ باب من ابواب السماء الدنیا یقال لہٗ باب الحفظۃ وعلیہ ملائکۃ یقال لہٗ اسمٰعیل تحت یدہٖ اثنا عشر الف ملک -

وفی حدیث جعفر بن محمد عند البیہقی ایضاً - یسکن الہواء لم یصعد الی السماء قط ولم یہبط الی الارض قط الا یوم مات النبی صلی اللہ

علیہ وسلم وفی حدیث ابی سعید عند البیہقی فی الدلائل وبین یدیہ سبعون الف ملک مع کل ملک جنود مأت الف فتح الباری جلد ۷ ص۱۲۵ اوفی روایۃ ابی سعید فی شرف المصطفیٰ انہ اتی بالمعراج من جنۃ الفردوس وانہ منضد باللؤلؤ وعن یمینہ ملئکۃ وعن یسارہ ملئکۃ :-

براق یساوی خطوۃ مد طرفہ
ایسا براق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔

اُتیح لہٗ واختیر فی ذلک المسریٰ
آپ کے لئے مقدر کیا گیا اور اس سیرگاہ میں پسند کیا گیا۔

وابدی لہ طی الزمان فعاقہ
اور زمانے کا چکر آپ کے لئے ظاہر ہوا پس اس کی رفتار کو روک دیا۔

رویداً عن الاحوال حتا ہا اجری
تھوڑی دیر کے لئے (اپنے چکر سے) حتیٰ کہ وہ زمانہ نہ چلا۔

وکانت لجبریل الامین سفارۃ
اور حضرت جبرئیل سفیر تھے

الیٰ قاب قوسین استوی ثم ما اقصیٰ
قاب قوسین تک (ٹھہر گئے) پھر انتہیٰ تک نہیں گئے۔

بخاری شریف جلد ثانی ص۱۱۲۰ ثم علا بہ فوق ذلک بما لا یعلمہ الا اللہ حتی جاء سدرۃ المنتہیٰ ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتے کان منہ قاب قوسین او ادنی فاوحیٰ اللہ الیہ فیما یوحی اللہ خمسین اے صلوۃ علی امتک کل یوم و لیلۃ ثم ھبط حتی بلغ موسیٰ فاحتبسہ موسیٰ فقال یا محمد ماذا عہد الیک ربک قال عہد الیّ خمسین صلوٰۃ۔

اذا خلف السبع الطباق وراءہٗ
جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا

وصادف منھن ادنی لرتبۃ المولیٰ
اور آپ نے پالیا جو کچھ آپ کے رتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا جو کچھ عطا کیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے قصیدے میں فرمایا ہے۔ ھ کذا فی النبہانیہ

نبی خص بالتقدیم قدما | وآدم بعد فی طین وماء

علا ودنا وجاز الی مقام | کریم خصّ فیہ بالاصطفاء

بدا قمر بیدہ فی نجوم | من الاصحاب اھل الاقتداء

ولم یر ربہ جھرا سواہ | بسر فیہ جلّ عن امتراء

تحیۃ الاسلام مع عقیدۃ الاسلام ص۳۹

وکان عیانا یقظۃ لا یشوبہ | منام ولا قد کان من عالم الرؤیا

اور عروج بیداری کی حالت میں تھا | اور نہیں تھی نیند کی اور نہ تھا خواب کے عالم سے

اور شیخ اکبرؒ نے بیداری کی حالت میں رؤیا کے حاصل ہونے کی تصریح کی ہے اور شرح

مواھب الدنیہ۔ زرقانی مصری جلد ۶ ص۱۱۹ میں بھی ابن المنیر نے نقل کیا ہے ص۲۴۵ ۸

شرح مواھب الدنیہ للزرقانی۔ العیان بکسر العین المشاھدہ

قد التمس الصدیق ثم فلم یجد | وصحح عن شداد البیھقی کذا

بیشک آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت | اور اس کو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس

صدیقؓ نے پس آپ کو نہ پایا۔ | سے امام بیہقی نے اسی طرح

اور یہ روایت طبرانی اور بزار میں بھی ہے اور جلد ۳ ص۱۱ پر امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر

میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ امام بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے

اور زوائد ہیثمی میں بھی ہے۔ اور انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ اور دلائل

میں بھی ہے جیساکہ امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا

ہے۔ اور فتح الباری جلد ۷ ص۱۴۲ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے۔ اور دیکھو شفا

قاضی عیاضؒ

رأی ربہ لما دنا بفوادہ | ومنہ سری للعین ما زاغ لا یطغی

جب آپ قریب گئے تو اپنے رب کو دیکھا اپنے | اور قلب سے رؤیت سرایت کر گئی آنکھ تک

قلب مبارک سے (زرقانی ج ۶ ص۵ ما | جو کہ ماز اغ تھی اور ما طغی تھی۔ نہ آنکھ نے تجاوز

ماكذب الفؤاد ومارأى — عن الحد كيا اور نہ بہکی

رأى نوره انى يراه مؤمل — وا وحى اليه عند ذاك بما اوحى

اور آپ نے باری تعالیٰ کے نور کو دیکھا اور امید کرنے والا کہاں دیکھ سکتا ہے اس کو — اور باری تعالیٰ نے اسی وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی ۔

بحثنا قال البحث اثبات رويته — لحضرته صلى عليه كما يرضى

ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہوا کہ باری تعالیٰ کی رؤیت ثابت کی جائے ۔ — آپ کی جناب کے لئے آپ پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے جیساکہ راضی ہو۔

وسلم تسليما كثيرا مباركا — كما بالتحيات العلى ربه حيى

اور سلام بھیجے اللہ تعالیٰ بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں — جیساکہ التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات فرما کر آپؐ نے اپنے رب کو سلام کیا یہ مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۳۱ ج ۲ میں ابن مالک نے سارا قصہ نقل کیا ہے

قال ابن ملك روى انه صلى الله عليه وسلم لما عرج به اثنى على الله تعالى بهذه الكلمات فقال الله تعالى السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته . فقال عليه السلام السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فقال جبريل اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله وبه يظهر وجه الخطاب وانه على حكاية معراجه عليه السلام فى آخر الصلوٰة التى هى معراج المومنين - ص ۱۱۱ عمدة القارى جلد ۶ مصرى

قال الشيخ حافظ الدين النسفى التحيات عبادات القولية والصلوات العبادات الفعلية والطيبات العبادات المالية ۔ عمدة القارى ج ۳ ص ۱۱۲

كما اختاره الحبر ابن عم نبينا — واحمد من بين الائمة قد قوى

رؤیت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے — اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل نے اسی کو قوی کہا ہے ۔ نیز نسیم الریاض جلد ۱ ص ۱۹۴ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی ہے ۔

ف :- امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے۔ مسند احمد اور زرقانی شرح مواہب الدنیہ ص۱۱۹ جلد ۶

ف :- فی الاوسط باسناد قوی عن ابن عباس قال رأی محمد ربہ مرتین و من وجہ آخر قال نظر محمد الی ربہ جعل الکلام لموسیٰ والخلۃ لابراھیم والنظر لمحمد فاذا تقرر ذالک ظھر ان المراد ابن عباس ھنا بروئیۃ العین المذکورۃ جمیع ما ذکر صلی اللہ علیہ وسلم و ھکذا زرقانی ج ۶ وابن کثیر ج ۳ زرقانی جلد ۶ ص۳ فتح الباری ج ۸ ص۱۳۱ مصری عمدۃ القاری ج ۷ ص۳۰ و فی البخاری ص۵۵ ج اول۔ عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ص۵۵ فی قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ھی رؤیا عین۔

فقال اذا ما اطرزی استبانہ رآہ رأی المولی فسبحان من اسری

پس آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بن حنبلؒ نے) اس کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے جبکہ امام مروزیؒ نے آپ سے بیان کرایا دریافت کیا اپنے مولا کو دیکھا ہے پس پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری جلد ۸ ص۱۳۱ مصری۔ بخاری ج ۲ ص۱۱۰ میں کئی دفعہ آیا ہے :-

فاذا رأیت ربی وقعت لہ ساجدا فی کتاب السنۃ عن اسحاق بن منصور بن بھرام الکوسج التمیمی المروزی نزیل نیساپور احد الائمۃ الحفاظ الثقات روی عنہ الجماعۃ سوی ابوداؤد قال الخطیب کان فقیھا عالما وھو الذی دون المسائل عن احمد مات سنۃ احدی وخمسین ومائتین زرقانی شرح مواہب الدنیہ جلد ۶ ص۱۱۹ مصری۔

رواہ ابوذر بان قال رأیتہ وانی اراہ لیس للنفی بل تثنیا

اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا ہے اور انی اراہ یہ نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ کسر نفسی کیلئے ہے امام سہیلی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

نعم رؤیۃ الرب الجلیل حقیقۃ — یقال لها الرؤیا بالسنة الدنیا

ہاں رب جلیل کی رؤیت ایک ایسی حقیقت ہے — کہ اسی کو رؤیا کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زبانوں میں۔

(فتح الباری) عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں رؤیا عین کتاب التعبیر فتح الباری ج ۲۷ ص ۱۳

زرقانیؒ ج ۶ - امام ابن کثیرؒ ج ۴ از ص ۱ تا ص ۱۴

عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۱۳ قید به للاشعار بان الرؤیا بمعنی الرؤیۃ فی الیقظۃ

والا فمرأی جبریل عشر ادۃ" — ولیس بدعا شکله کان او فی

ورنہ پس حضرت جبریلؑ کا دیکھنا تو کئی بار تھا — یہ کوئی نئی بات نہیں تھی خواہ کسی شکل میں دیکھا ہو

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبریلؑ آپ پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

وذلک فی التنزیل من نظم نجمه — اذا ما دعی الرائی ومغزاه قد وفی

اور یہ یعنی رؤیت کا مسئلہ قرآن شریف میں سورۃ النجم میں ہے — جب کہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل مقصود کو پورا ادا کرے۔

وکان ببعض ذکر جبریل فانسری — الی کله والطول فی البحث قد عنی

اور بعض طریقوں میں حضرت جبریل کا ذکر ہے — یہ کل کی طرف سرایت کر گیا اور بحث کے طول نے تھکا دیا

وکان الی الاقصی سری ثم بعده — عروجا بجسم ان من حضرة اخری

مسجد اقصی تک تو اسرا تھی پھر اس کے بعد — جسم کے ساتھ عروج تھا ہاں دوسرے دربار تک۔

عروجا الی ان ظللته ضبابة — وتغشی من الانوار ایاه ما یغشی

عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا — اور انوارات نے آپ کو ڈھانپ لیا جس طرح کہ ڈھانپ لیا

ولیسمع للاقلام ثم صریفها — ولیشهد عینا ما له الرب قد سوی

اور آپ وہاں صریف الاقلام سنتے تھے صریف الاقلام یعنی قلموں کے چلنے کی آواز — اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالی نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔

ومن عقل فیه من هنات تفلسف — علی جرف هار یقارب ان یردی

اور جو آدمی فلسفہ کی غلطیاں یا کوتاہیوں کو دانتوں سے کاٹے — وہ ایسی گھاٹی پر ہے جو گراہی چاہتی ہے۔ قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔

کمن کان من اولاد ماجوج فادعٰی نبوّتہ بالغیّ والبغی والعدوٰی

جیساکہ وہ آدمی جو یاجوج ماجوج کی اولاد سے ہے پس اس نے دعوٰی کر دیا۔ اپنی نبوّت کا اپنی گمراہی سے بغاوت اور تعدی سے

ومن یتبع فی الدین اھواہ نفسہ علی کفرہ فلیعبد اللّات والعزّٰی

اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے کفر میں لات وعزّیٰ کو پوجتا پھرے

فائدہ :۔ علامہ تفتازانیؒ نے فرمایا کہ معراج کے استحالہ کا دعوٰی کرنا باطل ہے کیوں کہ اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس کی قرآن وحدیث نے تصریح فرمائی ہے۔ لہٰذا اس کی تصدیق ضروری ہے۔ اور علامہ زرقانیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی تمام ممکنات میں اس بات پر قادر ہے کہ ایسی حرکت سریع حضورؐ کے بدن میں پیدا کر دے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تحقیق نے فرمایا کہ بیداری کی حالت میں حضورؐ کی روح اور جسم مبارک کو مکہ سے مسجد اقصٰی تک لے گیا۔ یہ تو قرآن وحدیث نے تصریح کیا ہے۔ لیکن قرآن جیساکہ قول ہے۔ باری تعالٰی کا سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی۔ دلیل کی تقریر اس طرح ہے۔ کہ عبد نام ہے جسد اور روح دونوں کا۔ تو ضروری ہوا کہ اسریٰ بھی دونوں ہی سے ہو۔ یعنی جسد اور روح سے کیوں کہ اگر یہ خواب ہوتا تو اللہ تعالٰی فرماتا بروح عبدہٖ یعنی اپنے بندے کی روح کو لے گیا۔ دیکھو اس آیت الذی ینھٰی عبداً اذا صلّٰی میں مجموعہ جسد اور روح مراد ہے۔ کیوں کہ یہاں پر عبد تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور روکنے والا نماز سے آپ کو ابوجہل تھا۔ وہ آپ کو نماز سے اپنی روح کے ساتھ نہیں روکتا تھا۔ اور سورۃ جن میں ہے وانہ لمّا قام عبد اللّٰہ یدعوہ یہاں پر عبد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یدعوہ سے مراد بھی آپ ہی ہیں۔ یہاں پر روح اور جسد ہی مراد ہے۔ ایسے ہی اسریٰ بعبدہٖ میں روح اور جسد ہی مراد ہے۔ رہی حدیث وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اسریٰ بی ہے۔ کیوں کہ نقلوں میں اصل یہ ہے کہ وہ لفظ پر محمول کئے جائیں۔ جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو عقل یا شرعی قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے۔ کہ معراج کے سارے قصہ میں روح اور جسد دونوں ہی مراد ہیں۔ اور ظاہر سے عدول نہ کیا جائے گا۔ اور حقیقی معنوں سے اور طرف نہیں پھیرا جائے گا۔ اور اسریٰ کے جسم

اور روح کے ساتھ بیداری کے عالم میں ہونے میں کوئی استحالہ نہیں۔ اور یہ جو باری تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ما زاغ البصر وما طغیٰ یعنی عجائبات ملکوت سے نظر نہیں پھری اور نہ اس سے تجاوز کیا۔ کیوں کہ البصر بیداری کی حالت میں ہی دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کی شہادت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ لقد رأى من آيات ربه الكبرىٰ اگر یہ نیند میں ہوتا تو اس میں کون سی آیات تھیں۔ جو خارق العادت ہوں۔ اور ان کے تکذیب کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ یہ بھی متواتر حدیثیں ہیں۔ کہ آپ کے لئے براق پیش کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کی معراج روح اور جسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور ابن کثیر نے اپنی کتاب کی تیسری جلد کے شروع میں اس کو خوب لکھا ہے۔ پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابوالخطاب عمرو بن دحیہ نے اپنی کتاب التنویر فی مولد سراج المنیر میں لکھا ہے کہ حدیث اسراء حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ سے اور ابن مسعودؓ ابوذرؓ اور مالک بن صعصعہؓ اور ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ اور ابن عباسؓ اور شداد بن اوسؓ اور ابی بن کعبؓ اور عبدالرحمن بن قرظؓ اور ابی حبہؓ اور ابی لیلیٰؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور جابرؓ اور حذیفہؓ اور ابوایوبؓ اور ابوامامہؓ اور سمرہ بن جندبؓ اور ابی الحمراءؓ اور صہیب رومیؓ اور ام ہانیؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور اسماءؓ دونوں حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادیاں ہیں۔ وغیرہم اجمعین۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ٥

اور اسی مسئلے پر اتفاق کیا ہے۔ تمام مسلمانوں نے اور اعراض کیا ہے۔ زندیقوں اور ملحدوں نے۔ امریکہ سے ایک رسالہ ماہواری (لائف) نکلتا ہے۔ (نیویارک سے) اس میں جولائی ۱۹۲۳ء کے لائف میں اس مضمون کو خوب لکھا ہے۔ اور آئے دن اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ روس اور امریکہ میں یورپ کے مختلف ممالک میں تجربے ہو رہے ہیں۔ سائنس اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ ایسا سریع السیر سفر ممکن الوقوع ہے۔ چنانچہ لائف ۱۹۶۳ء میں درج ہے کہ گاگارن کو پرنے صرف ۹۰ منٹ میں ساری دنیا کے گرد بائیس چکر کاٹے۔ اور ساڑھے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہ ہوائی جہاز چلا تھا۔ یہ مضمون ۱۹۶۴ء کے چٹان میں شائع ہوا تھا۔ اور بھی بہت سے اخبارات میں مضامین آئے دن آتے رہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ فضائی سفر کس قدر سریع السیر تھا۔ ڈاکٹر اقبالؒ لکھتے ہیں۔ ؎

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفٰےؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور یہ بھی فرماتے ہیں:۔ ؎

رہ یک گام ہے ہمت کے لیئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلماں سے معراج کی رات

حضرت مولانا نظامیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

تن او کہ صافی تر از جان ماست
اگر شد بیک لحظہ آمد روا است

۱۱۔نومبر ۱۹۶۶ء کے ترجمان اسلام لاہور میں ہے۔ روس نے بھی ایک خلائی تجربہ گاہ فضا میں چھوڑی ہے۔ جو کہ خلا میں ۲۶ سے ۴۸ میل تک کی بلندی پر زمین کے گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ یہ تجربہ گاہ گزشتہ اکتوبر میں چھوڑی گئی تھی۔

اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے قصیدے ضرب الخاتم علی حدوث العالم میں لکھا ہے۔ کہ وقالقیل ان المعجزات تقدمۃ

بما یرتقی فیہ الخلیقۃ فی المدیٰ

چنانچہ آجکل کے تجربے ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ انبیاءؑ کے معجزات اس بات کی دلیل ہیں کہ آئندہ کو مخلوقات ان کا تجربہ کرے گی۔ چنانچہ ریڈیو کی ایجاد اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے حج کے متعلق آواز دی تھی وہ بالکل حق ہے۔ گو اس کے متعلق سائنس ابھی ابتداء ہی میں ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ شریف کے بنانے کے بعد ایسی آواز دی تھی جو تاقیامت جن کی قسمت میں حج لکھا تھا ان سب نے لبیک کہی۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کا آواز دینا بغیر کسی آلہ کے تھا۔ اور سائنس اب آلات کی ایجاد سے اس طرف ترقی کر رہی ہے۔ تاکہ یہ منوایا جائے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے وہ سب کچھ ممکن الوقوع ہے۔ یا مثلاً ہوائی

جہاز کی ایجاد حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے اڑنے کی تصدیق فعلی ہے ۔ مگر وہ بغیر آلات کے تھا ۔ اور یہ آلات سے ہے جیسے حضرت عمرؓ کا ممبر پہ کھڑے ہوئے مدینہ سے دور ایک میل پہ آپ نے آواز بغیر کسی آلہ کے پہنچا دی تھی ۔ فرمایا تھا یا سادیۃ الجبل الجبل اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا عروج اور نزول ہے ۔ الحاصل کہ حشر اجساد اور موت کے بعد سارے عالم کا اٹھنا وغیرہ سب برحق ہیں ۔ خواہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوں ۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ کا آسمانوں پہ جانا اور قرب قیامت میں آپ کا نزول ہونا سب برحق ہیں ۔ اور اس پہ ایمان لانا فرض ہے ۔ اور یہی صراط مستقیم ہے ۔ واللّٰہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم ۔

یا اللہ ہمیں اپنے فضل سے حضور کا اتباع نصیب فرما ۔ اور ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما ۔ ہمیں بزرگان دین کا اتباع نصیب ہو ۔ آمین یا رب العالمین ۔

علامہ ابن منیرؒ نے فرمایا ہے کہ تجلی ایک رتبہ ہے بڑا عالیشان ۔ وہ ایک حالت ہوتی ہے ( بین النوم و الیقظۃ )

ف ۔ جب انسان کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہے اور اس کی ہڈی ہڈی میں یہ سما جاتا ہے اور اس کو باری تعالیٰ اپنے فضل سے روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں ۔ اور اس کو سلطان الاذکار نصیب ہو جاتا ہے اس پہ اس حالت کا کھلنا آسان ہو جاتا ہے ۔ حضرت شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ۔ ؎

خنجر خاموشی و شمشیر جوع<br>
نیزہ تنہائی و ترک ہجوع

اور اس مسئلہ کو اہل تحقیق کے سوا کوئی کم سمجھتا ہے ۔ علامہ زرقانیؒ چونکہ اہل حقائق میں سے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے ۔ اور اپنی کتاب میں جابجا تحقیق کی ہے ۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۶ / ۸

(۱) دو ہمہ سیر و غریبے کشف نشد حقیقتے     گرچہ شدم بر رنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

تشریح :- تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی۔ اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا یعنی اس عالم مشاہدہ میں اُس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی۔ جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے۔ تو بعینہٖ اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

(۲) گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے
شرح دہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہو

تشریح :- اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کر دوں گا۔

(۳) دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود نہ جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ ای درو ہنطہ بخنطہ جو نہ جو

تشریح :- خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادر مطلق سمجھے بہر حال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں۔ جو کچھ تو نے بویا ہے اسی کو کاٹ لے۔ اگر گیہوں بوئے ہیں تو گیہوں کاٹ لو۔ اگر جو بوئے ہیں جو کاٹ لو۔

(۴) ظاہر و باطن اندراں ہمچو نواۃ و نخل دان
نے بعد و یک زدو جنب بجنب و دو بدو

تشریح :- یہ دنیا اور آخرت اس طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی ہوتی ہے۔ یہ دونوں جہان اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دوان کو کہیں۔ جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے، تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے۔ اور کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

(۵) رشتہ ایں جہاں تبن جامۂ آں جہاں تبن
رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو

تشریح :- جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے۔ اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے۔ اور روح ظاہر ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ کہ روح چونکہ اُس جہان کی چیز ہے اُس کے آثار قبر ہی سے ظاہر ہو جاتے

ہیں۔ اور بدن چونکہ اس جہان کی چیز ہے۔ یہ بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

(۶) ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض
بیخ و شجر ہمو ہمو تخم و ثمر چنو چنو

تشریح :۔ جزا جنس عمل سے ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا یظلم ربک احدا۔ سورہ کہف۔ جو کوئی ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اس نیکی کو دیکھ لے گا۔ جو کوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اسی برائی کو دیکھ لے گا۔ سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا ہے وہ ملے گا۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جو جڑ ہے وہی شجر ہے۔ جو پھل ہے وہی بیج ہے۔ مشہور ہے۔ کہ بیج جب ٹہنی کے ہاتھ چڑھتا ہے۔ اس کا نام پھل ہوتا ہے۔

(۷) قبر کہ بود دروے سوئے جہان دیگرے
غیب شود شہود از دریدہ بدید روبرو

تشریح :۔ قبر میں جا کر اپنے سب اعمال منکشف ہو جائیں گے۔ جب روح ظاہر ہو جائے گی۔ کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آ جائیں گی یعنی عالم قبر دوسرے جہان کے لئے ایک روشن دان کا کام دے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں۔ اور ہوائیں آتی ہیں۔ اور برے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ اور قبر کو فرمایا گیا کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے۔ یعنی عالم غیب قبر میں منکشف ہو جائے گا۔ گویا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

(۸) منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود
زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ مو بہ مو

تشریح :۔ وہ جہان بالکل واضح ہو جائے گا۔ اگرچہ بظاہر قبر تو اسی جہان میں ہوتی ہے

اس جہان کی زندگی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔

(۹) مردن ایں طرف بود زیستن دگرطرف

روزن باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

تشریح :- اس طرف کا مرنا اس طرف کا جینا ہے۔ عالم آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں۔ اور اس روشن دان سے نظر آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں صاف مذکور ہے مشہور ہے کہ یہ راستہ آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے۔ جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالم برزخ منکشف ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ وان جھنم لمحیط بالکفرین بے شک جہنم احاطہ باندھے ہوئے ہے کفار کا کہ کفار کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے۔ قیامت کے روز یہ زمین کا گولہ اٹھا دیا جائے گا۔ نیچے سے جہنم نمودار ہو جائے گی۔ اسی واسطے مومن کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ تو اوپر کو پرواز کر اور ہلکا پھلکا ہو جا۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ مومن کو کہا جائے گا۔ کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ رتل و ارتق

(۱۰) تا نہ شکست صورتے جلوہ نزد حقیقتے

جب تک کہ ظاہری صورت نہیں ٹوٹتی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی۔
مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند

اول آں بنیاد را ویراں کنند

جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں۔ پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اس میں سے آخرت نمودار کر دی جائے گی۔ جیسے کہ گٹھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے۔ حقیقی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہو گی جب یہ جہان فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ لہٰذا قیامت کا آنا برحق ہے۔ وہ چونکہ رب العالمین ہیں وہ انسان کی تربیت اسی طرح کرتے ہیں عالم برزخ میں رکھکر پھر عالم آخرت میں اس کو نمودار کریں گے۔

اسی واسطے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہوگی ۔
یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے بہاول پور میں ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء میں فرمائی تھی ۔ جب میں نے یہ تقریر حضرت شاہ عبد القادر مولانا رائے پوریؒ کی خدمت میں سنائی تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے، اور تصدیق فرمائی ۔ یہ ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے ۔ جب کہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھڈہ ضلع سرگودھا میں موجود تھا ۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحبؒ رہے ۔ جہاں سے استفارہ کیا جاتا ۔ اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے ۔ ایسا بلند اور باریک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں ایسا حل کر کے رکھدیا گویا عالم برزخ ہمارے سامنے ہے ۔ مرنے سے پہلے حضرتؒ کے زیر مطالعہ اکثر مثنوی شریف ہوتی تھی ۔ عموماً عالم ارواح اور عالم برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے ۔ اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا آخری مرحلہ ہے کسی کو کیا معلوم تھا کہ اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۔

بہاول پور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق صاحبؒ سے جو کہ دوم مدرس تھے ۔ جامع عباسیہ کے جب مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے ۔ تو میری قبر پر آکر آواز دے دینا ۔ ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی ۔ جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا ۔

حضرتؒ کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تو مولانا محمد صادق صاحبؒ نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیوبند کا سفر کیا ۔ اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی ۔ مولانا محمد صادق صاحب کو حضرت شاہ سے بڑی عقیدت تھی ۔ اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوریؒ سے بیعت تھے ۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے ۔ ویسے بڑے فاضل تھے ۔ علوم متبحر تھے ۔

حضرت شاہ صاحب کا بہاول پور تشریف لے جانا مولانا محمد صادقؒ کی زبانی سنیئے ۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حامداً و مصلیاً
شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور صاحب کاشمیری قدس اللہ اسرارھم کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں ۔ آپ کو

مرزائی فتنے کے رد و استیصال کی طرف خاص توجہ تھی۔ حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط
شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما
چکے تھے۔ اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا۔ مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل
کی تیاری کو ملتوی فرمایا۔ اور ۱۹ر اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف
آوری سے مشرف فرمایا۔ حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبدالحنان
خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور وناظم جمعیت علماء پنجاب مولانا محمد صاحب لائل پوری
فاضل دیوبند مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے۔ ریاست
بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء و زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیامگاہ
پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ اور زائرین معانقہ سے مشرف نہ ہو سکتے
تھے۔ ۲۵ر اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا۔ عدالت کا
کمرہ امراء و رؤساء ریاست و علماء کی وجہ سے پر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان
میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجودیکہ شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے
اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا۔ مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ
گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کا
کفر و ارتداد دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمائے
حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعا
نبوت و وحی و مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے۔
اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں شاید
مرزائی نبوت کی رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت
شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کی فکر کی رسائی سے باہر ہے۔ ناظرین
بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا فرمادیں۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت
مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمادیں۔ آمین۔

علماء اہل حدیث میں سے جو چوٹی کے علماء ہیں وہ بھی حضرت شاہ صاحب کے

فضل وکمال کے مداح تھے۔ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے جب قادیان میں آپ کا بیان سنا تو فرمایا کہ اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے۔

دوم۔ مولانا عبدالتواب ملتانی تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی نے علماء اہل حدیث کے مجمع میں حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات اور بزرگی کا برملا اعتراف کیا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ نے اس مجمع میں کہا تھا کہ مولانا انور شاہ صاحب تو حافظ حدیث ہیں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم متعدد بار ملاقات فرما کر حضرت سے علمی استفادات فرماتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب امرتسر تشریف لاتے رہے، علماء اہل حدیث احناف کی نسبت زیادہ سے زیادہ تعداد میں حضرت کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور اس کا اہتمام خصوصی رکھتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اپنے اخبار اہلحدیث میں حضرت شاہ صاحب مرحوم کے وصال پر ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ اور اس میں اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے۔ اور حضرت کے مناقب اور علمی فضائل بیان کئے ہیں۔ اور محبت بھرے الفاظ میں متعدد ملاقاتوں کا ذکر کیا۔ اور یہ کہا کہ بے نظیر عالم دین رخصت ہو گیا۔

اور مصری علماء میں سے علامہ حضرت مولانا محمد زاہد کوثری نے تانیب الخطیب اور متعدد رسائل اور مقالات الکوثری میں جگہ جگہ حضرت شاہ صاحب کے علمی تبحر کا برملا اعتراف کیا ہے۔ کوثری کی یہ سب تصانیف بندہ کے پاس موجود ہیں۔ مقالات کوثری مدینہ منورہ سے بڑی کوشش کے بعد دستیاب ہوئی۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کوثری حضرت شاہ صاحب سے بہت متاثر ہیں عقیدۃ الاسلام موجمیۃ الاسلام کے جدید ایڈیشن سے مولانا مولوی محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ پڑھنا چاہیئے۔ نیل الفرقدین کی تانیب الخطیب میں بڑی ہی تعریف کی ہے۔

---

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب آپ کا ہدیہ متبرکہ خطبات واکفار الملحدین دو عدد

نسخے پہنچا۔ الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ
ہدیہ کیا تھا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس پر آپ بہت شکریہ کے اور مبارکباد کے مستحق
ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نے اکفار الملحدین کا اردو ترجمہ کر کے مسلمانوں
پر بڑا ہی احسان عظیم فرمایا ہے۔ حضرت مولانا و مخدومنا شیخ المحدثین محمد انور شاہ
کشمیریؒ کی شاید روح کتنی خوش ہوئی ہوگی اور مولانا محمد ادریس کے کتنے مدارج عالیہ
بلند ہوئے ہوں گے۔ ان کے لئے یہ ترجمہ سرمایۂ آخرت ہے۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں
پر بڑا ہی احسان عظیم ہے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ خوش رکھیں۔ مجلس علمی کیا ہے۔ ایک
خوان نعمت ہے۔ جس کو آپ نے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی نفع کے لئے بچھا رکھا ہے۔
اور ہر وقت اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

۵ — ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا حاجی محمد صاحب سملکی ثم افریقی بڑے ہی خوش قسمت تھے۔ کہ خدا نے
ان کو اس طرف متوجہ کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کے علوم کو کوئی
اپنے لفظوں میں دنیا تک پہنچا دے۔ اکفار الملحدین تو دنیا بھر میں پہلی کتاب ہے۔ جس میں
اصول تکفیر مدون فرمائے گئے ہیں۔ گویا یہ کتاب حضرت کی ایک الہامی کتاب ہے۔ عقیدۃ
الاسلام کو بھی آپ نے دوبارہ شائع کیا۔ اور تحیۃ الاسلام کو ساتھ ہی ملا دیا۔ اس سے
علماء کو بہت فائدہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ خواہش تھی۔ کہ ضرب الخاتم میں جو
حوالے دئے گئے ہیں اس کی عبارتیں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے جمع کی تھیں۔ وہ
بھی اگر چھپ جائیں تو یہ بڑی خدمت ہوگی۔ ضرب الخاتم بڑی ضروری کتاب ہے۔ جس کو
علماء ہی کم سمجھتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال ضرب الخاتم
کو سمجھے ہیں اتنا کوئی مولوی بھی نہیں سمجھا۔ اگر اس کے ساتھ حوالہ جات کی عبارتیں بھی شامل کر دی
جائیں تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ خطبات کے شروع میں جو نماز سے متعلق آپ نے مضمون
دیا ہے وہ بڑا ہی قیمتی ہے۔ آپ اگر سید سلیمان ندوی کے سیرت النبی کے حوالہ کی بجائے

اگر امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ سے اقتباسات لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ کیونکہ حقیقت صلوٰۃ تک رستہ حاصل کرنے والے یہ ہی محقق علماء ربانی ہیں۔ جو حقیقت صلوٰۃ تک پہنچتے ہیں۔ اور ان پر حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

یہ میں جب ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ کو گیا۔ یہ جنوری ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال مئی ۱۹۳۳ء میں ہو گیا تھا یعنی ۳ صفر ۱۳۵۲ھ۔

یہ واقعہ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ کا ہے اس وقت مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم سندھی مکہ مکرمہ میں تھے۔ جس دن میں بعد نماز مغرب ان کی زیارت کے لئے گیا۔ وہ معلی مالکی کے پاس بیٹھے تھے۔ میرے ساتھ میاں جان صاحب مطوف تھے۔ جب ملاقات ہوئی تو مولانا عبید اللہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے کسی سے پڑھا۔ اور تو کسی سے بیعت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث تو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھی اور بیعت حضرت مولانا محمود الحسن یعنی شیخ الہندؒ سے کی۔ اس پر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حرمین شریفین میں تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ کا حج کرایا۔ میں نے جب کعبۃ اللہ کی دیواروں کو ہاتھ لگایا تو یوں محسوس ہوا کہ یہ دیواریں پتھر کی تو نہیں بلکہ نور کی دیواریں ہیں گویا تجلیات کعبہ ان پر منکشف کر دی گئیں۔ ان کے نورانی ہاتھ نور کی دیواروں کو محسوس کرنے لگے۔ پھر فرمایا جب میں روضہ مطہرہ پر مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور روضہ اقدس کی دیواروں کو ہاتھ لگایا۔ تو معلوم ہوا کہ دیواریں بھی نور کی بنی ہوئی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ نے انجاح الحاجہ میں لکھا ہے۔ کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ۔ یہ تو مشاہدہ ہے۔ اور فان لم تکن تراہ فانہ یراک یہ حضوری ہے۔ اگر آدمی نماز طریقہ پر پڑھے۔ اور ذکر اذکار بھی کرتا ہو حتی کہ اس کو باری تعالیٰ روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں۔ تا آنکہ اس کا بال بال ذاکر ہو جائے تو اس کو حضوری نصیب ہو جاتی ہے۔ اگر روح کے ذکر کے بعد ذکر سر بھی نصیب ہو تو اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہو۔ اور اس میں استعداد بھی ہو تو مشاہدہ بھی نصیب ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں محنت درکار

ہے اور حتی یابلال اور الصلوٰۃ معراج المومنین اور المصلی ینادی ربہ اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ وغیرہا احادیث کا مطلب اس پر کھل جاتا ہے۔ گویا علم تقلیدی سے نکل کر علم تحقیقی نصیب ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے۔ تو فرمایا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے۔ سبحان اللہ کہ حضرت کو نماز ہی کا فکر رہا کہ نماز صحیح طریقے پر پڑھنا آجائے۔ حضرت گنگوہی سے دعا کروائی یہ بات حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری نے کئی دفعہ فرمائی تھی۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جب کانپور پڑھاتا تھا۔ تو یہ معمول تھا کہ شعبان میں جب میں تھانہ بھون آتا تو گنج مراد آباد حضرت مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر کے آتا۔ ایک دفعہ میں جب حاضر ہوا تو بیٹھتے ہی حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب نے فرمایا۔ کہ مولانا یہ جو حدیث میں آتا ہے اللھم اعطنی تشوقا الی لقائک شوق کا کیا مطلب ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی فرمائیں۔ مجھے تو شوق کے معنی نہیں آتے۔ تو حضرت نے فرمایا۔ شوق کے معنی ہیں تڑپ یعنی اے خدا اپنے دیدار کی تڑپ عنایت فرما یعنی یہ غم لگا رہے کہ ہائے میں نے کچھ نہیں کیا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

یہاں پودرِ خور توفیق غم پاتے نہیں جاتے
انہیں راز درونِ پردہ سمجھائے نہیں جاتے

یعنی سارے غموں کو چھوڑ کر فقط ایک اس کے دیدار کا غم لگا رہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ جو آخرت کا غم لگائے رکھے خدا اس کے سارے غموں کے لئے کفایت کرتے ہیں۔ یہ بات کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہے کہ ذکر کی بھوک و پیاس لگی رہے اور ذکر اس کی خوراک بن جائے۔ جیسے ملائکۃ اللہ کی تسبیح باری تعالیٰ اور تقدیس غذا ہے۔ بندہ بھی اگر اخلاص سے چلے اور محنت کرے تو باری تعالیٰ یہ بات نصیب فرماتے ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فقط چائے کی ایک فنجان پر روزہ رکھتے تھے اور سارا دن قرآن شریف پڑھتے رہتے۔ حتیٰ کہ روزانہ کا قرآن شریف ختم کرنا

معمول تھا۔ حضرت رائے پوری یعنی شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک دن جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت اتنی تو گرمی کے روزے ہیں اور آپ فقط ایک فنجان پر کفایت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ الحمد للہ جنت کا ذائقہ آرہا ہے۔

میں نے حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ کی بھی زیارت کی ہے۔ ہمارے حضرت رائے پوری یعنی شاہ عبد القادرؒ چونکہ حضرت شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ کو بھی حضرت شاہ صاحب سے بھی بڑی محبت تھی۔ اکثر دیوبند تشریف لے جاتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی رائے پور زیارت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رائے پوریؒ حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے یہ سفر دیوبند کا اس لئے کیا ہے کہ مولانا محمد انور شاہؒ کو دار العلوم دیوبند کا رکن بنانا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے بھی بڑی ہی محبت تھی۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ حضرت خود کچھ نہیں تناول فرماتے تھے۔ ایک دفعہ شوربے کے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور پھر لقمہ منہ میں نہیں ڈالا تا آنکہ دستر خوان اٹھا لیا گیا۔ پھر رات بھر کے جاگنے کا معمول تھا۔

دیوبند بزرگوں میں یہ مشہور تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ جب نماز پڑھتے ہیں تو ٹھیک بندہ بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کا اتقا بہت ہی بڑھا ہوا تھا۔ ہمارے ایک استاد تھے۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ وہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو دیکھ کر خدا تعالیٰ یاد آتا ہے۔ یہی اولیاء اللہ کی نشانی ہے۔ جیسا کہ روایات میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق نماز پڑھنا ثابت ہے۔ کم از کم میں نے تو اپنی ساری عمر میں حضرت شاہ صاحبؒ جیسا نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت کے چہرہ پاک سے یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خشیت بہت ہے۔

" الذین امنوا وکانو یتقون " اولیاء اللہ کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا۔

فقط والسلام ! بچوں کو دعوات ! اور پیار ر

بعض اوقات سبق کے ضمن میں طلباء کا دل بہلانے کے لیئے کوئی بات ظرافت کی کہد یتے تھے۔ ایک دفعہ بخاری شریف کے درس میں قصہ سنایا کہ دیوبند میں ایک شاعر صاحب تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہم بھی تصوف پر شعر کہتے ہیں۔ مثلاً ؎

التینیتی و النھیر نا و الاسترا

جو ام تیرے شوق میں کفگیر لایا ساتھ

کسی نے کہا کہ شعر تو آپ نے خوب سنایا۔ مگر اس میں تصوف کی کون سی بات ہے۔ دوسرے آدمی نے کہا کہ اجی اس میں الف لام تو تصوف کا ہے۔ اس پر حضرت شاہ صاحب بہت مسکراتے تھے۔ پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ پہلے مصرع میں قفنا بھی ہونا چاہیئے۔

یعنی :- التینیتی و النھیر نا و الاسترا قفنا

تاکہ وزن درست رہے۔ پھر وہ شاعر صاحب فرمانے لگے کہ میں کیا شاعر ہوں۔ مجھ سے تو بیچارہ ذوق ہی اچھا تھا۔ اس پر بہت مسکراتے تھے۔

آپ کی نظمیں بہت ہیں۔ بہت سے قصائد عربی و فارسی ہیں بعض نظمیں ایسی ہیں جن کا ایک مصرع فارسی اور ایک عربی ہے۔ عموماً اشتیاقیہ نظمیں بہت ہیں۔ جو اکثر مدینہ شریف کے رستہ میں کہی ہیں۔ کئی نظموں کا اور قصائد کا مجموعہ ہمارے پاس بھی ہے۔ جو اگر موقع ملا تو شائع کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ آگے جو اللہ کو منظور ہو گا۔

فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا۔ ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا بس ادھر کھانا ختم ہؤا ادھر اشعار ختم ہوتے۔ مقامات حریری کی طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی جس میں کئی ایک مقامے بے نقط تھے۔

ایک دفعہ احقر حضرت کی زیارت کے لیئے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ تشریف لائے۔ اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ فرمایا کہ نہیں۔ مجھے ہی آنا چاہیئے تھا۔ اسی طرح حضرت مفتی صاحب

کئی بار تشریف لاکر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں۔ ان کو اجازت حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے ہے۔ اور ان کو اجازت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت دی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ جو کہ برادر تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دئے۔ وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف گیا۔ وہاں جاکر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو جب شاہ صاحب اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے۔ اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے۔ اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بوڑھا جن بیٹھا ہے۔ اور بادشاہ کے سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے۔ اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں۔ انہوں نے شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے ہمیں قصاص دلوانا چاہیئے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں لے سکتے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی آدمی غلط فہمی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے۔ تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ان سے۔ جب حضورؐ نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے۔

حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا۔ اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کے دیکھنے سے ہوئی۔ پھر شاہ اہل اللہ صاحب نے ان صحابی سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے۔ یہی حدیث ترمذی شریف کے درس میں حضرت

شاہ صاحبؒ نے سنائی تھی۔ اس جن کا نام شاہ ورشؒ تھا۔ یہ واقعہ ۱۳۳۸ھ کا ہے۔

ظفر (یعنی بہادر شاہ دلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جب مولانا عاشق الہی صاحبؒ میرٹھی نے جمع الفوائد کے شائع کرنے کا ارادہ فرمایا تو میرٹھ میں بہت سے حضرات کا اجتماع کیا۔ حضرت تھانویؒ بھی تھانہ بھون سے تشریف لے گئے حضرات سہارن پوری بھی سب کے سب حاضر تھے۔ دیوبند سے بھی حضرت شاہ صاحبؒ اور مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد صاحبؒ تھے۔ سب نے تجویز کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ابتدا کریں۔ تو حضرت شاہ صاحب نے یہ آیت مبارکہ لکھکر دی۔ کہ اسے ٹائپ کر کے دکھائیں۔ انا فتحنا لك فتحا مبينا ماشاء اللہ ٹائپ بہت اچھا آیا۔ سب حضرات بہت خوش ہوئے۔

مولانا عاشق الہی صاحبؒ نے دمشق جا کر حضرت مولانا بدر الدین محدثؒ کے فرمانے پر دمشق سے ستر میل ایک گاؤں میں جا کر یہ کتاب یعنی جمع الفوائد حاصل کی۔ اور بڑی کوشش سے ہندوستان لائے۔ پھر بڑے ہی اہتمام سے اس کتاب کو شائع کیا۔ اس کتاب میں حدیث کی چودہ کتابوں کی حدیثیں جمع ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں نے اپنا سارا کتب خانہ مدرسے کی ملک کر دیا تھا۔ مگر یہ کتاب اپنے پاس رکھی تھی۔ حضرت مولانا عاشق الہیؒ صحیح معنوں میں عاشق الہی تھے۔

---

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے۔ پس کلمہ اللہ کا اس کا متکفل ہے۔ کیوں کہ یہ علم ہے۔ اس ذات پاک کا جو مجمع جمیع صفات کمال ہے۔ پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے۔ اس کا رحمن کا کلمہ متکفل ہے۔ یعنی بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے۔ تیسرے

پایا جاتا فائدہ اس کام کا اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے۔ کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا۔ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے۔ اس لئے تسمیہ میں یہ تمام نام جمع فرمائے گئے۔ عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور بھی تھا (یعنی اسماعیلیوں میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمٰن مشہور تھا۔

قل ادعو اللہ او ادعو الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ

قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو اسم بھی پکارو سب اسماء حسنیٰ ہیں پہلے عرب یوں کہتے تھے۔ وما الرحمٰن۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریف ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رخ کریں گے۔ اور حج بھی کریں گے۔ یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے۔ یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب ادیان ایک ہو گئے۔ اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ عملی طور پر ثابت فرما دینگے۔ بزرگان دین نے ان اسماء کا ورد کرنا فرمایا ہے تاکہ ان کی برکت سے دینی دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

سورۃ فاتحہ - الحمد للہ رب العلمین (ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جزو نہیں۔ لیکن قرآن کا جزو ضرور ہے۔ اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے۔ زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے۔ کہ یہی صحیح روایت ہے۔

ابی حنیفہؒ سے (وھبانیہ میں ہے) نے اپنے منظومہ میں فرمایا ہے۔ ٥

ولو لم یبسمل ساھیا کل رکعت

فیسجد اذا ایجابہا قال اکثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے

سورۃ فاتحہ۔ مکیہ ہے۔ یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے۔ اپنی حمد ذات

پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں ۔ تربیت ، رحمت ، جزا ۔ اس لیئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے ۔ یا تو اس لیئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مدنظر ہوتے ہیں ۔ یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے ۔ یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر یہ احسان کرے گا ۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے صفت و ثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں ۔ کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں ۔ ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری اور باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں ۔ کہ میں رحمٰن و رحیم ہوں ۔ اور اگر دور اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی ۔ غرض ہر ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے ۔ مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کرلینا ۔ روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا اور ستر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبا رہنا ۔ حتیٰ کہ و لا تکن من الغافلین نصیب ہو جائے ۔ غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیات میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لیئے غافل نہ ہو ۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے حمدنی عبدی اور الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنا علی عبدی جب مالك یوم الدین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدنی عبدی بندے نے میری بزرگی بیان کی ۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں ۔ ھذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے ۔ اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا ۔

اور جب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے ۔ ھذا لعبدی و لعبدی ما سأل

یہ میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ سبھی ملے گا جو اس نے سوال کیا حدیث کے شروع میں قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی یہاں پر صلوٰۃ بمعنی سورۃ فاتحہ ہے۔ حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے واذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم آمین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔

جیسے واذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد

سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں۔ آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہیئے۔ آمین کے معنی اے اللہ تو قبول فرمالے (استجب)

انعمت علیہم۔ چار قسم کے گروہ ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما۔ عوام کو چاہیئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں۔ ان کا طریق اختیار کرلیں۔ صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اخلاق رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یاد حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی تا آنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرما لیتا ہے۔ (الذین آمنوا وکانوا یتقون) اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے۔ دل ان کے اسی شان سے قبول کرلیتے ہیں گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے۔ اور صدیق وہ ہیں کہ قوت نظریہ ان کی انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے۔ اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی سے دور رہتے ہیں۔ امور دین میں بالکل خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں۔ خواہش نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا۔ صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عز اسمہ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے۔ کہ مطلقاً غلطی اور شبہ ان کے معلومات میں راہ نہیں پاتے۔ ان کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام مان لیں۔ انبیاء پر اعتراض

کرنا یہود نے شروع کیا۔ عیاذ باللہ۔

صراط الذین انعمت علیھم۔ گو ظاہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے۔ لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام میں ہدایت کرتی رہی۔ اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ (یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے۔ جو ان کے باطن میں ہدایت کر گئی۔ تو جب آپ ان کی ہدیٰ پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا۔ کیوں کہ آپ کو اولیت باطناً حاصل ہے اور ظاہراً آخریت ہے۔ ورنہ بھدٰھم اقتدہ ہوتا اور حدیث کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین وغیرہا نصوص اسی طرف مشیر ہیں۔ کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں۔ بردانا ملی والی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ فعلمت علم الاولین والآخرین سے مراد انبیاء ہی ہیں جو ان ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے متقدم تھے۔ الیواقیت ج ۲ ص ۱۸۔

ھدًی للمتقین۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے۔ کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے۔ والزمھم کلمۃ التقویٰ۔ کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا۔ کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون۔ کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے مثلاً واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ۔ کبھی اخلاص کے معنی دیتا ہے۔ فانھا من تقوی القلوب۔ از فتح العزیز

الٓمٓ :۔ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ بس ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ یہ بھی کلام ربانی ہے۔ ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان۔ ذالک الکتاب۔ یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ لاریب فیہ۔ اس کے برحق اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیوں کہ کھلا عام

اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنا لاؤ۔ یا کم از کم دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ کم از کم ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ تم بھی اہل لسان ہو۔ عرب ہو۔ مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو۔ عرب العرباء ہو۔ مگر بحمد اللہ آج تک کوئی نہ لا سکا۔ یا تو اس کی مثل لاؤ یا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

**ھدًی للمتّقین** ۔ یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے۔ یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا۔ ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شفایاب ہوگا۔ ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔

**الذین یومنون بالغیب الاٰیۃ** ۔ یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط محمد رسول اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کر لیا یہی ایمان بالغیب ہے۔ تمام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن۔ باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کر لینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔ کفر کے معنی منکر جانا یعنی منکر ہو جانا۔ یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے صحیح ہونے میں شبھے نکالنا۔ یا تکذیب کرنا۔ کفر کہلاتا ہے۔

**ویقیمون الصلوٰۃ** ۔ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی نماز کے فرائض واجبات و شرائط سنن مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں۔ یعنی پوری اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

**ومما رزقنٰھم ینفقون** ۔ جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

**وفی اموالھم حق للسائل والمحروم والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** ۔ یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں

کہ اس سے مراد یہ ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ قل آمنا باللہ وما اُنزل علینا وما اُنزل علیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و الاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیین من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون پ۳ رکوع آخری اور پارہ اول رکوع آخری میں قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا۔ ما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وَ ما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم۔ الآیۃ بھی آیا ہے۔ اور سورہ بقر کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے۔ آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کلٌ آمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ اولئک علیٰ ھدًی من ربھم واولئک ھم المفلحون یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی۔ اور آخرت میں کامیاب ہو گئے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے فرمایا (فتح العزیز) کہ ایمان کا ایک تو وجود ذہنی ہے۔ دوسرا وجود عینی تیسرا وجود لفظی۔ وجود عینی تو اصل ہے ایک نور کی جو بسبب حجاب رفع ہونے کے حاصل ہوتا ہے۔ جب بندہ مومن میں اور اس کے رب تعالیٰ شانہٗ میں حجاب رفع ہو جاتا ہے یہی نور جس کو کمشکوٰۃ فیھا مصباح اور اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور میں فرمایا ہے۔ جب حجاب رفع ہوتا ہے اور نور ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوج کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضا کو گھیر لیتا ہے۔ پھر پہلے تو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے۔ اور حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہر شی کے متجلی ہوتے ہیں۔ ہر ایک شئے کو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ اور اوامر اور نواہی کے موافق حکم الٰہی پر عامل ہوتا ہے۔ اس حال میں خصائل حمیدہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اعمال صالحہ انوار معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یھدی اللہ

لِنوس ہ من یشاء ۔ اور وجود ذہنی ایمان کا دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی کا انکشاف جس کو گرویدن اور باور کردن بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام تصدیق اجمالی ہے۔ دوم ہر شئی کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور جو ارتباط ان میں ہے۔ اس کو بھی لحاظ رکھنا اور ایمان کا وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین کا اقرار ہے اور کلمات اس کلمہ طیبہ کے زبان سے جاری کرنا۔

انّ الذین کفروا الایۃ ۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مرگئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اسی طرح کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ کفر پر ہو جائے۔ کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین محمدی ہونے سے ہی انکار کر دے۔ اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے۔ خواہ اس کی حقیقت پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے جیسا کہ وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ کہ استدلال دوسروں کا بھی نہیں سنتے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھنے نہیں دیتا۔ دل اور کان پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ ڈالنا ذکر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں مدرکات کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں۔ آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا۔ کہ پردہ آنکھ کا شعاع کو باہر نکلنے سے روکتا ہے۔ اور وہی منشاء رویت کا ہے۔ اور عقلاء کا قاعدہ باندھا ہوا ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے پردہ ڈالتے ہیں۔ ومن الناس یعنی یہ دعویٰ دونوں علموں کا کرتے ہیں۔ علم توحید اور علم معاد کا یہی دو علم اصل دین ہیں۔ بس کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ محجوب حق سے ہیں حالانکہ ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے کسی وقت نصیب نہ ہوگا۔ ان کو منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی کئی اقسام ہیں۔ جیسے کہ احادیث میں مروی ہیں۔

قالوا ھٰذا الذی رزقنا من قبل۔ یعنی جزا درحقیقت مجزی علیہ کے ظہور ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں۔ یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہو گئے

ذوقوا ما کنتم تعملون. فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ الآیۃ

دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر

آنچہ کہ کشتہ درو حنظل بہ حنظل جو ز جو

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں معنی تنزیہی نے دنیا میں تو لباس کلمات طیبات کا پہن لیا آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی حسین آدمی قبر والے کو مانوس کرنے کے لئے پاس رہے گا۔ وہ نیک عمل ہی اس شکل میں ہوگا۔ معانی متجسد ہو جائیں گے۔

یاایھا الناس اعبدوا ۔۔ الایۃ۔ مخفی نہ رہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں۔ اول انسان کی پیدائش۔ دوم پیدائش ان کے باپ دادوں کی۔ ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔ سوم پیدائش زمین کی۔ چہارم وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوئی۔ کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو ایک جا لائے وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں نفس سے متعلق ہیں اور تینوں نعمتیں جسمانی ہیں۔ پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے۔ پھر اپنے اصول اقربا ماں باپ وغیرہما سے پھر زمین جو جگہ انسان کے رہنے کی ہے۔ پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں۔ پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں صحن اور چھت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی بارش پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی اس کا شریک سہیم نہیں لہٰذا شکریہ بس اسی ہی کو مخصوص کر دکسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ اس کا شریک الٰہیت میں اور اس کی صفات کمال میں ہو۔

قولہ تعالیٰ۔ الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ ۔ الایۃ۔ شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں۔ یعنی گرویدن باور کردن جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی کا سے ہیں۔ اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جا بجا دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قلبہ مطمئن بالایمان کتب فی قلوبھم الایمان

ولمایدخل الایمان فی قلوبھم۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام یہی تصدیق ہی ہے اور بس۔ نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا۔ چنانچہ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا و الذین اٰمنوا ولم یھاجروا پس معلوم ہوا کہ اعمال نیک کر ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے ایمان درہم برہم ہوتا ہے۔ [illegible] اقرار موقوف [illegible] بھی بلا تصدیق مذمت کی ہے۔ و من الناس من یقول اٰمنا باللہ و بالیوم الاٰخر و ما ھم بمؤمنین۔ پس معلوم ہوا کہ اقرار لفظی تو ایمان کی حکایت ہے۔ اگر تو محکی عنہ کے مطابق ہوا تو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ محکی عنہ تو تصدیق ہی ہے۔ تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے۔ ایمان کا بھی تین طرح کا وجود ہے۔ ایک لفظی۔ دوم ذہنی سوم عینی۔ وجود عینی تو اصل ہے۔ باقی وجود اس کے تابع ہیں۔ ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے سبب سے تمام پردے بینہ و بین الحق رفع ہو جاتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح میں تمثیل مکمل فرمائی گئی۔ چنانچہ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ اس کا سبب بیان فرمایا۔ کہ یہ نور انوار محسوسہ کی طرح قوت و ضعف اشتداد و انتقاص قبول کرتا ہے۔ چنانچہ آیت واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا۔ اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجاب مرتفع ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے۔ تا آنکہ اوج کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ اور خوب پھیل جاتا ہے اور جمیع قویٰ اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس اول تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے ہیں۔ اور بقدر انشراح صدر کے ہر امر کے بجالانے میں مستعد ہو جاتا ہے۔ اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے۔ اور وجود لفظی ایمان کا کلمۂ شہادتین ہے۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان [illegible] رسول اللہ

ثم استوی الی السماء خواہ زمین کو پہلے کہو خواہ تسویۂ آسمان کو پہلے کہو۔

سب درست ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ - اس میں فرمایا گیا کہ مسئلہ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ اطاعت اللہ جب معتبر ہے۔ کہ اس کے رسول کے ماننے پر اس کے غیر کی اطاعت کرے۔ جیسے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول اور اسی میں حسن و قبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا۔ اور عدل اور جور بھی منکشف کیا گیا اور اسماء احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے۔ اور تقدیر خیر و شر من اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور یہ کہ شرف عبودیت اسی ہی ہے اور توبہ میں ہے۔ اور یہ کہ لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون اور یہ کہ آخری حیلہ مراحم خسروانہ میں اپیل دائر کرنا ہے۔ اور یہ کہ سبقت رحمتی غضبی اور اس میں یہ کہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے۔ اور مسئلہ جبر و قدر بھی اس میں ہو گیا انی اعلم ما لا تعلمون - جو کچھ کہ آدمی کے جوارح و اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اول اس کا وجود مرتبہ روح میں ہوتا ہے پھر قلب میں پھر قوی نفسانیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بلیٰ من کسب سیئۃ و احاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ مبنا تھا۔ کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہوا عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے۔ ایسا ہی زنا، چوری، لواطت بھی حرام ہیں کبائر ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کا نام فسق و فجور و عصیان ہے۔ عیاذاً باللہ۔

اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے۔ لیکن وہ ایک مدت مقررہ تا عند اللہ کے بعد ختم ہو جاتے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ دوم یہ کہ اعتقاد بھی

موافق شریعت حقہ کے نہ ہو۔ مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے۔ خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو۔ خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو۔ مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کو جحود اور کفر اور زندقہ اور الحاد کہتے ہیں۔ اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کا وعید سنایا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ الفاسق لایخلد فی النار والکافر خالد فی النار۔ چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہود ہی تھے۔ جو کہ بنی اسرائیل تھے۔ وہ اپنی غباوت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔

(۲) اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہدیا لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے۔ اتخذتم عند اللہ عہدا ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون۔ کیونکہ اس کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی۔ بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔ یہ بس نص صریح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں۔ اس بات میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرمادیا کہ بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ الآیۃ کہ فساد علم وعمل اور خرابی عقیدہ و اعمال کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے۔ موجب خلود فی النار کا ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے۔ گو ظاہر میں کلمہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ دل سے عذاب کا خوف بھی اٹھ جائے۔ اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے۔ زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لیئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ! مراجعت کرد فتح العزیز کی حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ

تفسیر میں یہ لکھا ہے۔

ولقد آتینا موسی الکتاب۔ الآیۃ۔ یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی۔ اور بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا۔ سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگاتار رسول بھیجے۔ حضرت یوشع حضرت الیاس حضرت الیسع حضرت شمعون حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان۔ حضرت شعیا حضرت ارمیاہ۔ حضرت یونس حضرت عزیر حضرت حزقیل حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ اور ہزارہا پیغمبر تھے۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے۔ انہی کی شریعت کے متبع تھے۔ وآتینا عیسی ابن مریم۔ الآیۃ۔ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادر زاد اندھے کو اچھا کرتے تھے۔ اور کوڑھی کو چنگا کرتے تھے۔ مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا۔ یہ سب کچھ بحکم خداوندی ہوتا تھا۔ جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں میں چھپاتے تھے سب معجزانہ طور پر آپ بتلا دیتے تھے۔ آپ کو بلا باپ پیدا فرما دیا۔ آسمان پر معجزانہ طور پر تشریف لے گئے۔ اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلہ نہ کر سکی۔ نہ اب ہی سائنس یہاں تک ترقی کر سکی ہے۔ لیکن سائنس والے بھی اس کے امکان کے قائل ہو گئے۔

وقیل ان المعجزات تقاۃ - بما یلقی فیہ الحقیقۃ فی المادی

آپ کا نام ہی روح رکھا۔ روح کی سبک سیر کا (سریع رفتار) کا کس نے اندازہ لگایا ہے۔ روح نام ہے یا تو جبرائیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس اسم مبارک ہی کی تاثیر ہو کہ آسمان کو اڑ کر تشریف لے گئے۔ فرمایا گیا ہے۔ وروح منہ۔ شہادۃ القرآن عقیدۃ الاسلام۔ اور تحیۃ الاسلام۔ سیف چشتیائی۔ بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

ایشوع اصل ہے عیسیٰ کی۔ اس کے معنی ہیں مبارک۔ اور مریم بھی عبری لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں خادمہ یا عابدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس

پھونک مارتا ہے۔ ان نفسًا لن تموت حتی تستکمل رزقہا۔ کہ کوئی جان دار نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہیں کرلیتا۔ اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی روح القدس تائید کرتے تھے۔

فقریقًا کذبتم وفریقًا تقتلون۔ مثلاً زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت شعیا علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کئی بار حملہ قاتلانہ کیا۔ زہر دیا۔ چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا۔ اس زہر کا اثر مرض وفات میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ سر الشہادتین میں تفصیل سے مذکور ہے۔

یعنی ایسے متعصب ہیں کہ اچھی بات سنتے ہی نہیں۔ تصلب حق کے معنی یہ ہیں کہ دین حق کو قوت سے پکڑے۔ اور کسی کے فریب میں نہ آجائے۔ اور ادھر توجہ بھی نہ کرے۔ یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی بھی پڑھی ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کشمیر میں چھ ماہ انگریزی پڑھی تھی۔ میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی دوسرا کئی سال میں پڑھے۔ ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی پڑھی تھی۔ آج کل کے بی۔اے۔ ایم۔اے سے زیادہ انگریزی کے واقف تھے۔ مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے برہان پور جو کہ وطن تھا۔ حضرت علی متقی کا جو صاحب کنز العمال وغیرہ ہیں۔ تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کا سنکر بہت سی مستورات آئیں تو حضرت نے خادم سے فرمایا۔ کہ صحن کا دروازہ بند کردو۔ کسی عورت کو مت آنے دو۔ اور خود حسبنا اللہ پڑھتے رہے۔

احقر محمد لائل پوری عرض کرتا ہے۔ کہ ۱۹۵۱ء میں جب والد صاحب کا انتقال ٹنڈو اللہ یار سندھ میں ہوا تو میں وہاں گیا۔ جس مکان میں میں ٹھہرا تھا اس مکان کے قریب مسجد تھی۔ وہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب

بنوری تشریف لائے۔ غالباً حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی بھی تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے سنایا کہ مولانا ابو الوفا افغانی فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ حیدر آباد دکن تشریف لائے تو میں نے بھی گذارش کی کہ میری دعوت قبول فرمائیں۔ حضرت نے قبول فرمالیا۔ دوسرے دن ایک مجمع کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لائے۔ ہم نے کھانا تو فقط بیس آدمیوں کا بنایا تھا۔ وہاں کھانے پر جمع ہوگئے۔ اسی سے بھی زائد آدمی حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ توکل آپ کھانا لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ برکت فرمائیں گے واقعی یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کرامت تھی کہ کھانا اسی سے زائد آدمی کھا گئے۔ پھر بھی کھانا بچ رہا۔ خود حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ حیدر آباد دکن میں میری سترہ تقریریں ہوئیں۔ اور بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

ایک دفعہ بہاولپور سے واپسی پر میرے عرض کرنے پر بہت طویل تقریر وحی کے اقسام پر فرمائی تھی۔ جس کو ہم نے دار العلوم میں شائع بھی کیا تھا۔

لاہور معراج جسمانی کے سلسلے میں بیان فرماتے وقت یہ بھی فرمایا کہ بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر بین حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ کہ ثم استیقظت الفاظ آتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔ اُتی بالمنذر بن ابی اسید الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین وُلِد فوضع علی فخذہٖ وابواسید جالس فلہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشیٔ بین یدیہ فامر ابو اسید بابنہ فاحتمل من فخذہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستفاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال این الصبی

تو اس روایت میں استفاق کا یہ مطلب نہیں کہ غشی سے ہوش میں آگئے۔ بلکہ اسی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا۔ فاستفاق ای فرغ من اشتغالہ

فصل الخطاب طبع ہونے کے بعد ۱۳۳۵ھ دورے کی ساری جماعت کو بلایا اور سب کو ایک ایک نسخہ اپنے دست مبارک سے عنایت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کاتب کے کچھ اغلاط رہ گئے ہیں۔ جن کی تصحیح نہیں ہو سکی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں بیٹھنے کے بعد طبیعت کہیں نہیں جمتی خواہ کتنا ہی علامہ

کیوں نہ ہو۔ کچھ ایسی برکات انوارات مجلس کی ہوتی تھیں کہ وقت محسوس نہیں ہوتا تھا۔
جس بات کا حوالہ دیتے کتاب کھول کر حسبنا اللہ پڑھکر فوراً انگلی اسی جگہ پر رکھتے تھے جہاں سے عبارت پڑھنا مقصود ہوتا تھا۔

کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ ایک دو ورق الٹ پلٹ کرنے پڑتے تھے۔ ورنہ وہی صفحہ نکلتا تھا۔ حوالہ پڑھکر سناتے کبھی کتاب کا حوالہ محض نام لے کر نہیں دیا۔ بلکہ عبارت پڑھکر سناتے لکھنے والے صفحہ دیکھکر لکھ لیتے تھے۔ یہ جو حوالہ نکالنے میں تخلف ہوتا ہے۔ تقطیع جدا جدا ہونے کے باعث سے یا مطابع کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں کتاب دیکھکر حوالہ پڑھکر آگے چلتے تھے۔ بعض دفعہ جس کتاب میں سے حضرت پڑھتے تھے مصر یا لیدن کا مطبوعہ ہوتی تھی۔ ہندوستان کی مطبوعات کے صفحات میں فرق ہوتا ہے علماء گھبرا جاتے ہیں۔ کہ حوالہ نہیں ملتا۔ محنت کرنے سے کیا نہیں انسان کو ملتا۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ اپنے مکتوبات شریفہ میں فرماتے ہیں۔ من یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ...... ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء صراط مستقیم کے ترجمہ میں اس آیت مبارکہ کو پیش فرماتے تھے۔ پس ہم نے جو شرح صدر دینی مسائل میں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کسی کو نہیں پایا۔ ہر مسئلہ میں بڑے ہی بسط کے ساتھ اور شرح صدر کے ساتھ چلتے تھے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

ایک دفعہ مالیر کوٹلہ میں تشریف لائے۔ مولانا عبد الغنی صاحب جو مالیر کوٹلہ میں رہتے تھے وہ خود جاکر حضرت شاہ صاحب کو لائے۔ بندہ بھی رائے کوٹ سے مالیر کوٹلہ میں حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ تو مجھے تنہائی میں ایک بات کہی کہ یہ بات مولانا محمد رمضان صاحب مرحوم سے لدھیانہ جاکر کہہ دینا میں نے اسی پر عمل کیا۔ بہت سی راز کی باتیں احقر کو کان میں فرما دیتے تھے۔

مالیر کوٹلہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بعد عشاء ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ بہت مجمع علماء کا تھا۔ اس میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ مولانا بدر عالم صاحبؒ

اور بہت سے علماء موجود تھے۔ فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی ہی بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں۔ فقط اتنا چاندنا چاہیئے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے باقی تو اسراف ہے (غالباً یہی الفاظ تھے)

ایک دفعہ وہیں بہاول پور ہی میں میرے دریافت کرنے پر کہ لاہور میں ۱۹۲۸ء میں دسمبر کے مہینے میں الستہ شرقیہ کا جلسہ ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال مرحوم کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے مجھے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ دیا۔ جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون عراقی ہیں۔ تو فرمایا یہی جو محدث مشہور ہیں۔ ان کی کتاب کا نام ہے غایت البیان فی تحقیق الزمان والمکان۔ یہ علامہ عراقی بڑے محقق گذرے ہیں۔ پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر سے واپس طلب کیا۔ تو ڈاکٹر نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھو یا گیا۔ پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا۔ کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہیئے

فائدہ :۔ نیوٹن نے بھی اسی نام کا ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو یورپ میں مشہور تھا۔ کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے۔ ڈاکٹر مرحوم نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دیئے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے۔ اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے۔ بلکہ علامہ عراقی اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا۔ کہ حافظ شیرازیؒ کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ اس میں شراب کباب کا ذکر ہے۔ تو پھر حافظ شیرازیؒ کو عارف کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے۔ میں نے سورہ کہف تک دیکھا ہے۔ بہت اعلیٰ حاشیہ ہے۔ وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں۔ ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے۔ باری تعالیٰ آوارہ لوگوں سے ایسے بلند کام نہیں لیتا۔ جب انہوں نے تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا ہے تو بے ادبی کے الفاظ نہیں کہنے چاہئیں آپ توبہ کرو استغفار کرو۔

جب مولانا حسین علی صاحبؒ وان بھچراں ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہو گیا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کو دیوبند سے دعوت دی گئی۔ یہ جنوری ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔ میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا۔ زائرین ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچے ایک ہندو نے اپنے کوٹھے کی چھت پر سے حضرت کو دیکھ لیا۔ فوراً کود کر زمین پر آیا۔ مجمع کو چیرتا ہوا آیا۔ اور حضرت کے پاؤں میں گر پڑا۔ کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں۔ یہ کہا اور ایمان لے آیا۔ ایسے واقعات حضرت کی حیات مبارکہ میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ سرگودھے والوں نے بھی جب کہ لائلپور آپ تشریف لائے تھے احقر سے ملنے کے لئے تو انہوں نے بھی سنایا تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد خان صاحبؒ کندیاں والوں کے۔ یہ اس واقعہ میں خود موجود تھے۔ جب مفتی صاحب مجھے سنا رہے تھے۔ تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے۔ منجملہ اُن کے حاجی قائم الدین لائلپوری بھی تھے۔

جب حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری (بہار) نے قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا اور تمام حضرات دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس اجتماع میں حضرت شاہ صاحبؒ مولانا محمد انور صاحب بھی تشریف لے گئے تھے۔ جب سب حضرات سٹیج پر بیٹھے تھے۔ تو ایک برہمن جو خود بھی بہت بڑا ودوان تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے ودوان ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں۔ پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا۔ ہم بھی حیران تھے۔ کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے۔ یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے بہاول پور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کی امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے۔ وہاں کے اہل خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی۔ اور حضرت کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔

واپس ڈابھیل تشریف لاکر تمام مدرسین کی دعوت کی۔ پُر تکلف کھانا کھلایا۔ اور ہر مدرس کو ایک ایک رومال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے۔ مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا۔ اہل رنگون نے احقر کی بہت خدمت کر دی تھی۔ یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جواب دینے کے لیے تیار ہی بیٹھے تھے۔

مولانا خیر محمد صاحب مولانا خیر الدین صاحب سرسوی مرحوم مولانا غوث محمد صاحبؒ مولانا عبد الجبار صاحب۔ مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کوٹلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرا دے تو عرض کر۔ سلیک غطفانی کا واقعہ سنتیں بعد کی ادا کرنے کا جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرانا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں۔ فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دوں گا۔ اور خود ہی تلاوت کروں گا کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے چنانچہ سینکڑوں علماء جمع ہو گئے۔ مولانا مفتی محمود جلیل صاحب بھی بیٹھے تھے۔ مولانا عبد الغنی صاحب بخاری تشریف لائے کہ میں بھی حضرت کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں۔ حضرتؒ نے ان کو بخاری شریف شروع کرا دی۔ اور درس حدیث دیا۔ علماء حیران تھے علوم کے دریا بہہ رہے تھے۔ ایک سکتہ کا عالم تھا۔ پھر سلیک غطفانی کا واقعہ بھی ذکر فرما دیا۔ کہ علماء کی تسلی ہو گئی۔ مولانا عبد الجبار مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے۔ مولانا خیر محمد صاحب فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب کے سینے سے اچھل اچھل کر باہر آتا ہے۔ افسوس کہ ہم تو دیوبند جا نہ سکے۔ دور ہی سے پڑھتے رہے حضرتؒ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ مولانا خیر الدین مرحوم حضرتؒ کو سنا رہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتدا تھی۔ اور حضرت دہلی سے کشمیر جا رہے

تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی سماویات سے شروع کیا۔ اس لئے کہ ما بعد کا کلام
آسمان کی خبر اور اسرا کے متعلق ہے۔ سمٰوٰت العلیٰ تک بلکہ سدرۃ المنتہیٰ تک
یہاں تک کہ فرمایا اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور موحِیٰ
بکسرہ الحاء کو مبہم رکھا کیوں کہ اس کا انحصار اللہ تعالیٰ ہی پر ہے۔ اور وحی ہی
رسالت ہی میں ہے۔ اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں اس کے نفس ہوتے
ہیں اسی موصوف کا نام لینے سے زیادہ اَبلغ ہوتا ہے۔ مثلاً قول ان کا صدقت باکرم
القوم پھر فرمایا عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی پس منتقل ہوئے مُعَلَّم کی طرف مُوحِیٰ
کے ذکر کے بعد اور ان کو دو شمار کیا، مُوحِیٰ اور مُعَلِّم پھر اوصاف وہ ذکر کئے۔ جو
مُعَلِّم ہی کے ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ کلام مکہ والوں کے ساتھ ہے۔ اور مکہ والے جبرئیل
علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے۔ پس اس کی صفات اور فعل ذکر فرماتے جیسے سورت
تکویر میں ہے۔ تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی کیونکہ جب کہا جائے کہ یا بتیك اَمْلَاكٌ
تو جی میں کھٹکتا ہے کہ آنے کی کیا صورت ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور وہ
سوتیٰ مبارک ہے۔ ذُوْ مِرَّۃٍ ہے۔ اس جیسے سے خیر ہی کا اندیشہ ہے۔ اور وہ
نزدیک ہوتا ہے۔ اور وہ ٹلک آتا ہے۔ لہٰذا اس کے اوصاف ذکر فرما دئے۔ ابن
قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذُوْ مِرَّۃٍ یعنی جمیل المنظر حسن الصورۃ ہے جلالت
شان والا ہے۔ اقبح صورت والا شیطان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اَجْمَلُ الخلق ہے اور
ذی امانت اور مکانت والا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہی وحیٔ نبوت کی تعدیل
اور اس کا تزکیہ ہے۔ جیسے اس کی نظیر سورۃ تکویر میں ہے۔ یہاں فرمایا کہ وہ علم قدرت
والاجمال المنظر ہے۔ یہ اوصاف رسول ملکی اور بشری دونوں کے ہیں۔

قولہٗ فَتَدَلّٰی اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ اپنے مکان سے نیچا ہو گیا
یہاں تعلق بھی قائم رہا جیسے بیل کی تدلی ہوتی ہے۔ کہ تعلق بھی باقی رہتا ہے اور نیچے بھی
لٹک آتا ہے جیسے نور عظیم منبسط فی الجو ہوتا ہے۔ کہ تھوڑے سے سوراخ سے داخل
ہو جائے۔ اس کو ناظر یوں سمجھتا ہے کہ اس کا تعلق اوپر ہے منفصل نہیں ہوا۔ گویا یہ تمثیل
اس کی ہوئی جو جبرئیل امین کی بشر کی شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے۔ یہاں یہی ذکر کرنا

بے موقع نہ ہوگا۔ جیسا کہ سہیلیؒ نے ذکر کیا ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف
چڑھے فاوحی الی عبدہ ما اوحی تو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دنو رب
محسوس ہوا تو آپ سجدے میں گرے پس سبحان رب الجبروت والملکوت والعظمۃ
کہتے ہی رہے۔ حتی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو وحی کرنا تھا۔ وہ کر دیا۔ پھر جبرئیل علیہ
السلام نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی اسی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو
پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اپنے پر ملائے ہوئے ہیں (یاقوت اور زبرجد اور لؤلؤ کے) میں
نے خیال کیا کہ جبرئیل کی دو آنکھوں کے درمیان کے فاصلہ نے دونوں آفاق کو ڈھک لیا ہے
حالانکہ اس سے پہلے میں ان کو مختلف صورتوں میں دیکھتا تھا۔ اور اکثر دحیہ بن خلیفہ
کلبی کی شکل میں دیکھا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے دیکھے
قولہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ تفسیر
خبری میں ہے فاوحی اللہ الی ما اوحی اس کے قریب قریب مسلم شریف میں ہے اور
یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں۔ کیونکہ یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے۔ اور رسول
تو موحی ہو نہیں سکتا بلکہ مرسل ہی موحی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا او یرسل رسولاً
فیوحی باذنہ ما یشاء یہاں بھی متعاطفات نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے۔ بعض
بعض سے ملا ہوا ہے۔ جس کی انتہا الی اللہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے مضمون کا۔ جیسا کہ ان
ھو الا وحی یوحی میں استیناف ہوا باعادۃ ما استونف عنہ چنانچہ اھدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیہم میں۔

پھر فرمایا ما کذب الفواد ما رای اس کو ما قبل سے جدا کر دیا۔ اور عطف
نہیں ڈالا۔ کیونکہ یہ شامل ہے رویۃ باری تعالیٰ کو فواد سے اور رؤیۃ جبرئیل کو اصلی صورۃ
یہ دونوں قبل الاسرا حاصل تھے۔ اور یہ شامل ہے ان تمام اشیاء کو جو لیلۃ الاسرا
میں دیکھیں جیسا کہ فرماتے ہیں لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ اور بنی اسرائیل میں
فرمایا لنریہ من آیاتنا وہاں یہ بھی فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا
فتنۃ للناس سو فتنہ تمارا تہ ان کا نام ہے۔ جیسے سورہ نجم میں فرمایا افتمارونہ علی
ما یری پس قولہ ما کذب الفواد ما رای ای ما کذب الفواد عبدنا
ما رای ای ھذا العبد یا تو فواد سے یا آنکھوں سے۔ اور کذب متعدی ہے دو

مفعولوں کی طرف جیسے ان کا قول صَدَقَنَا فُلَانًا الحدیث وکذبتہ احتمال ایک مفعول پر مقتصر ہونے کا بھی ہے۔ یعنی ما قال کذب بالاسے لھذا المقولہ بل قال ماوقع بعدعیانا فی الاسرائیا لنسبۃ الی رؤیۃ اللہ تعالیٰ

اور یہاں پر رؤیۃ فواد کا ہونا اور مابعد میں رؤیۃ بصر کا ہونا یہ کوئی نظم قرآنی میں انفکاک کا باعث نہیں بلکہ رؤیۃ امر واحد ہے۔ اور فرق جو آتا ہے۔ وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے۔ آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں رویتیں ثابت ہیں۔ رؤیۃ اللہ تعالیٰ کی پہلی فواد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بعثت میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رؤیا میں دکھایا جاتا آتا ہے۔

پھر فرمایا افتماروننہ علیٰ مایریٰ اور نہ کہا فیما یریٰ اس نے دلالت کی کہ یہاں اور رؤیت بھی ہے۔ اس کو سہیلی نے ذکر فرمایا۔ اور علیٰ مایریٰ فرمایا نہ فرمایا فیما یریٰ کیونکہ ان کو نفس رؤیۃ باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصًا مرئی میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فواد سے رواہ طبرانی فی اوسط رجالہ رجال الصحیح

مسند دارمی میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا۔ پھر جبرئیل علیہ نے فرمایا قلبٌ وکیعٌ لہ اُذنان سمعتان وعینان بصیرتان۔

وکیعٌ یعنی متینٌ شدیدٌ یعنی مضبوط پھر فرمایا ولقد راٰہ نزلۃً اُخریٰ یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے۔ لیکن رؤیت جبرئیل یہ تو ظاہر ہی ہے لیکن باری تعالیٰ کی رؤیت سو اس کے قرب کے باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے یطلع اللّٰہُ علیٰ اھل الجنۃ فیقون ھل رضیتم + عند سدرۃ المنتھیٰ اس کا تعلق رائیٰ سے ہے نہ کہ مرئی سے جیسا طبری نے فرمایا جیسے رأیتُ الھلال من المسجد قولہ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ یعنی انوار اور تجلیات۔

نسائی شریف میں ہے ثم اتیتُ سدرۃ المنتھیٰ فغشیتنی ضبابۃٌ فخررتُ لہ ساجدًا اور یہی ظلل من الغمام ہے۔ پھر فرمایا ما زاغ البصر و ما طغیٰ اس میں تصریح فرمائی کہ تیقظ میں ہوا۔ پھر خلاصہ بیان فرمایا۔ لقد رأی من اٰیات ربہ الکبریٰ یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے۔ حدیث ابی ذر میں ہے رأیتُ نورًا

اور نوذ أنّی اُدْ اللّٰہ اس کے معنی ایک ہی ہیں۔ ای ھو نود من این دا أیتہٗ اور مروزی
نے بھی امام احمد سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ دأیتُ رَبّی پھر مسند کی حدیث
میں ہے رَأیتُ رَبّی عَزَّ وَجَلَّ۔ اس کی اسند قوی ہے)

ایک مولانا شریف اللّٰہ صاحب کابل کے تھے۔ حضرت رائپوری شاہ عبدالقادر
صاحبؒ فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ وہ
اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ ننگے بدن رہتے تھے فقط تہبند رکھتے تھے دار الحدیث دیوبند
کی بنیادیں جب بھری جا رہی تھیں۔ وہ اس میں بھی شامل تھے۔ پھر شیخ الہند اپنے پاس لے
آئے۔ دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے۔ جو ۱۳۲۸ھ میں ہوا۔ وہ رائپور بھی آتے
تھے۔ اور اکثر دیوبند رہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد
میں صفیں بچھانا یہ ثابت ہے یا نہیں۔ مولانا شریف اللّٰہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔
حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیثیں پیش کیں۔ تو خاموش ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے
منع فرما دیا تھا کہ کوئی ان سے نہ الجھے۔ فرمایا یہ صاحب حال ہیں ان کو مت چھیڑو۔

وہ فرماتے تھے کہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ یعنی جس آدمی نے اپنے
آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بڑھ کر کوئی بھی اس
کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے۔ ہمارے زمانے میں
بھی تشریف دیوبند لائے تھے۔ جب حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے
تھے۔ قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔

ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں۔ ؎

بے آہ سحر گاہی تقویم خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارِ جو

لالۂ پیکانی کہا آنکھوں کو۔ جیسا گلِ لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے۔ ایسی ہی آنکھوں
میں سیاہی ہوتی ہے۔ پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنارے جو سے مراد رونا ہے
یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔

فرماتے ہیں۔ ؎

جب عشق سکھاتا ہے آداب خدا گاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یعنی جب خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

شامِ جس کی آشنائے نالۂ یارب نہیں
جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا سازِ دل شکستِ غم سے ہے ناآشنا
جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے قل ان کنتم تُحِبُّونَ اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں روتے تھے۔ یہ حالت صحابہ میں بھی تھی۔ حضرت شاہ صاحب کو اکثر دیکھا گیا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ اکثر آنسو ہی بہاتے تھے۔

ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں وعظ فجر کی نماز کے بعد فرمایا تو امیر خسروؒ کے یہ اشعار پڑھے۔

جاں ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز
قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو بہت ہی رقت ہوئی۔ حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ فرمایا کہ یہ شعر امیر خسرو کے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت کہے۔ اسی واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی۔ کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا۔ رفیق فرماتے تھے۔ نہ مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر صحیح طور پر عامل تھے۔

حضرت شاہ صاحب کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے۔ بلکہ سکڑ کر سوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے۔ کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پسار کر بے ادبی کر سکتا ہے۔

حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کابلی فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق باسماء اللہ ہوتا ہے۔ ایک اسماء اللہ کا تحقق ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق یہ جو آخری ہے یہ بہت اونچا درجہ ہے۔

ف :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضور کے اخلاق مبارکہ بیان فرمائیے تو آپ نے فرمایا کان خُلُقُہٗ القرآن اسی سے وفورِ علم حضرت صدیقہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصوف سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آنحضور عملی قرآن پاک تھے۔ یعنی یہ جو قرآن شریف ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ تو علمی قرآن ہے اور آنحضرت عملی قرآن پاک تھے، اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے تخلقوا باخلاق اللہ

حضرت شاہ صاحب محض مدرس حدیث کے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا۔ حدیث کا تحقق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تخلق بھی نصیب تھا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

ایک دفعہ غالباً ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب ملتان سے لائل پور تشریف لائے۔ ایک مکان پر ان کی دعوت چائے تھی۔ احقر بھی مدعو تھا۔ احقر بھی حاضر ہوا۔ ملاقات پر حضرت شاہ صاحب کی باتیں ہونے لگیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

قہوۂ حمد را نسزد انور
دار چینی ز نعتِ پیغمبر

یہ شعر سنتے ہی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب پھڑک گئے۔ کہ اس سے معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعتِ رسول نہ کہی جائے۔

## تمت بالخیر

والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و اہل بیتہ اجمعین

محمد عطاء اللہ انوری قادری لائلپوری ۹ ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۶۵ء